قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی

تبلیغ ۱۳۵۶ ھش — فروری ۱۹۷۷ء

ایڈیٹر :
حافظ مظفر احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَات

"تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں" ۔ الہام حضرت مسیح موعودؑ

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوسکتی" (المصلح الموعودؓ)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

خالد

ربوہ

فروری ۱۹۷۷ء

تبلیغ ۱۳۵۶ ہش

ایڈیٹر:

حافظ مظفر احمد

نائبین:

- بشارت احمد محمود
- ملک خالد محمود
- محمد الیاس منیر

قیمت ایک روپیہ ــــ جلد ۲۴ ۔ شمارہ ۲

مندرجات

• پبلشر: محمد شفیق قیصر • پرنٹر: سید عبدالحی • مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ • مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ

اداریہ

- اس دفعہ جلسہ سالانہ پر مختلف خطہ ہائے ارض سے تشریف لانے والے احمدی بھائیوں کی خدمت کرنے اور ان سے انٹرویو لینے کا موقعہ ملا۔ اس شمارہ میں پانچ ممالک کے امرائے وفود اور تین نمائندگان کے انٹرویو ہدیۂ قارئین ہیں۔

- "امریکہ میں احمدیہ مسلم مشن اور تبلیغ اسلام" ـــــ جناب محمد شفیق قیصر کا یہ مضمون امریکہ میں غلبۂ اسلام کی مہم کا پس منظر پیش کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں "امریکہ میں جماعت احمدیہ کے ذریعہ تبلیغ اسلام" کے زیر عنوان ـــ ایک مضمون آپ "دورۂ امریکہ نمبر" میں ملاحظہ فرما چکے ہیں ـــــ

- "احمدی ادباء و شعراء" ـــــ جناب نسیم سیفی کے مقالہ کی آخری قسط ہے جو جماعت احمدیہ کی ادبی خدمات کی ایک جھلک ہے۔

- جناب ماسٹر برکت اے خاں رکن تبشیری کمیٹی سیالکوٹ نے مدیر خالد کے نام کچھ پمفلٹ بھجوائے ہیں جن میں مسیحی معتقدات کو انجیل کے حوالہ جات کی روشنی میں بظاہر سادہ اور مؤثر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان پمفلٹس کی حقیقت سے جناب شیخ عبد القادر محقق لاہور نے پردہ اٹھایا ہے۔ آپ نے "انجیل کے متن پر ایک نظر" کے عنوان سے ان پمفلٹس کا اصولی جواب پیش فرمایا ہے۔

- اسلام کے دو فدائی اور سلسلہ احمدیہ کے خادم حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم اے اور حضرت مولوی عبد الرحمان صاحب امیر جماعت احمدیہ قادیان ماہ جنوری میں رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ہر دو بزرگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حضرت ملک غلام فرید صاحبؓ کو جرمن ملک میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دینے کی توفیق ملی۔ آپ نے ایک عرصہ تک ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز کے طور پر بھی کام فرمایا۔ نیز انگریزی ترجمۂ قرآن کو مکمل کرنے کی سعادت آپ کو نصیب ہوئی۔

الحاج حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب فاضلؓ مدرسہ احمدیہ میں بطور ہیڈ ماسٹر کام کرنے کے ساتھ ساتھ قاضی سلسلہ، ناظم دار القضاء کے فرائض انجام دیتے رہے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ کو قادیان میں امیر مقامی اور پھر ناظر اعلیٰ کے اہم عہدوں پر فائز کیا گیا۔ اکثر علماء اور مبلغین سلسلہ آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ فقہ کے مستند عالم تھے ـــــ ادارہ خالد ہر دو بزرگان کے لواحقین سے دلی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!

ماہنامہ "خالد" کی اشاعت خصوصی

جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء میں دنیا کے مختلف ممالک سے تشریف لانے والے مسلمان احمدی وفود کے امراء اور نمائندگان سے ملاقات اور انٹرویو۔ (ادارہ)

یاتون من کل فج عمیق کا ایک نظارہ

سوالات یہ تھے

● آپ کا نام؟ شہر اور ملک؟ ● کیا آپ ربوہ میں پہلی بار تشریف لائے ہیں؟ ● آپ نے اسلام واحمدیت کو کب قبول کیا؟ ● ربوہ اور جلسہ کے متعلق آپ کے کیا تاثرات ہیں؟ ● جلسہ کے دوران آپ کس چیز سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے؟ ● ربوہ شہر کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ ● اہل ربوہ کو آپ نے کیسا پایا؟ ● جلسہ کے وسیع انتظامات سے متعلق آپ کا کیا تبصرہ ہے؟ ● دوران قیام آپ کو کسی قسم کی کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟ ● کیا آپ کو پاکستانی کھانے پسند آئے؟ اور کون سا کھانا سب سے زیادہ؟ ● ان کارکنان کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے جنہوں نے آپ کی خدمت کی؟ ● کوئی ادبیات جو آپ کہنا پسند فرمائیں!

امیر وفد غانا

امسال غانا سے تین افراد پر مشتمل وفد جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے مرکز احمدیت ربوہ میں آیا۔ امیر وفد جناب یعقوب جبرائیل عیسیٰ نے انٹرویو میں بتایا کہ آپ اکرا (غانا) سے آئے ہیں اور پیدائشی احمدی ہیں۔ ربوہ سے متعلق آپ نے فرمایا کہ یہ خوبصورت شہر ہے جس میں نئی خوشنما عمارتیں بھی ہیں۔ جلسہ سالانہ کے انتظامات میں سے خاص طور پر لنگر کے انتظامات سے میں بہت متاثر ہوا جہاں اہل ربوہ نہایت بشاشت سے اپنی ڈیوٹیاں ادا کرتے ہیں۔ بہرحال جلسہ کے

انتظامات شاندار اور حیران کن ہیں۔ میں یہاں سے بہت
کچھ سیکھ کر واپس جا رہا ہوں۔

اہل ربوہ بہت مہمان نواز اور پیار کرنے والے ہیں۔
ربوہ شہر اور اس کی سجی ہوئی چھوٹی چھوٹی دکانیں
خوبصورت ہیں۔ تاہم اجتماعات کے پیش نظر ربوہ کی سڑکوں
کی توسیع ضروری ہے تاکہ آمد و رفت میں کوئی دقت نہ ہو۔

قیام و طعام کے سلسلہ میں مجھے اور میرے ساتھیوں
کو کوئی دقت نہیں ہوئی۔ ہم نے بہت لطف اٹھایا ہے۔
جو کھانے ہمیں مہیا کئے گئے وہ پُرلطف اور مزیدار تھے تاہم
پراٹھا مجھے بہت پسند آیا۔ بلاشبہ یہ بہت عمدہ غذا ہے۔
کارکن جنہوں نے ہماری خدمت کی خوب کام کرنے والے
تھے انہوں نے نہایت عمدگی اور محنت سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ روٹی پکانے کا انتظام مزید بہتر
ہو سکتا ہے۔ اگر روٹی پکانے والوں کا ایک خاص لباس ہو
تو یہ بہتر ہو گا۔ میں اور میرے ساتھی آپ کو اس عظیم الشان
جلسہ کے وسیع انتظامات سنبھالنے اور جلسہ کو کامیاب
بنانے پر آفرین کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے
خیر دے۔ آمین!

امیر نائیجیریا

جماعت احمدیہ نائیجیریا کا نمائندہ وفد چار افراد پر
مشتمل تھا۔ امیر وفد جناب ظفر اللہ ادلادیو ایاس آف
ایگوس (نائیجیریا) نے بتایا کہ میں پیدائشی احمدی ہوں اور
۱۹۶۹ء کے جلسہ سالانہ پر ربوہ آ چکا ہوں۔

"ربوہ ایک دور افتادہ شہر ہے۔ اس چھوٹے سے شہر میں
کافی مساجد ہیں۔ جن میں عبادت کرنے والوں کو حقوق اللہ
کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

جس بات سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا وہ یہ ہے
کہ ربوہ کے باشندے نہایت امن و سکون سے رہتے ہیں۔
میں حیران رہ گیا کہ یہاں سوا لاکھ سے زائد لوگ کئی دن
تک جمع رہے مگر ایک دن بھی لڑائی یا جھگڑا نہیں ہوا میں
سمجھتا ہوں یہ امتیاز اور فخر صرف جماعت احمدیہ کو ہی حاصل
ہے کیونکہ اتنی کثیر تعداد کے باوجود ایسے پُرامن ماحول کی
مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ ربوہ کے مکین مہمان نواز ہیں۔
وہ اجنبیوں سے محبت کرنے کے اعتبار سے صحابۂ رسولؐ
کا نمونہ ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ربوہ کا کوئی ایسا خاندان
یا گھر نہیں جس نے جلسہ پر آنے والے مہمانوں کے قیام و طعام
کا بندوبست نہ کیا ہو۔ میرا خیال ہے کہ ۱۹۶۹ء کی نسبت
بہتر عمارتیں اور سڑکیں ربوہ میں موجود ہیں۔

جلسہ کے انتظامات کے بارہ میں فرمایا کہ میں مطمئن
ہوں کہ باوجود مہمانوں کی کثرت کے ہر شخص کی ضرورت پوری
کی گئی ہے مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ پاکستانی
کھانے بہت مزیدار ہیں۔ میری پسندیدہ اور مرغوب غذا،
چپاتی اور بھنی ہوئی مچھلی ہے۔

کارکنان کے بارہ میں فرمایا کہ میں ان کی خوش اخلاقی
اور ملنساری دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ وہ دلی مسرت اور
دلچسپی سے کام کرتے ہیں۔

آخر میں آپ نے فرمایا کہ میں قیام و طعام کے سلسلہ
میں کارکنان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے ہماری خدمت
کی اور اہل ربوہ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ہمیں خوش آمدید کہا۔

امیرِ وفد مارشیس

امسال مارشیس سے بارہ افراد پر مشتمل وفد جلسہ سالانہ میں شامل ہونے کے لئے ربوہ پہنچا۔ امیر وفد جناب ابوبکر خان (آف فنیکس مارشیس) نے بتایا کہ میں پہلی بار ربوہ آیا ہوں۔ میں حضرت حافظ جمال احمد صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ کے ذریعہ بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوا تھا۔ میں ۲۴ دسمبر کی رات کو ربوہ پہنچا۔ اور اس وقت سے میں ربوہ کی روحانیت سے بھرپور فضا دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا ہوں کہ ربوہ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ ربوہ میں سب سے زیادہ متاثر کرنے والی بات یہ ہے کہ یہاں خلیفۂ وقت کا وجود مبارک اور نظام خلافت موجود ہے پھر حضورؒ کی اقتداء میں مسجد مبارک میں نمازیں ادا کرنے اور دعائیں کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اہل ربوہ کے پیار اور جذبۂ خدمت سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ مزید برآں یہاں مختلف ممالک اور مختلف رنگ و نسل کے لوگوں میں اسلامی اخوت کا عملی نمونہ دیکھنے میں آیا جو اور کہیں نظر نہیں آتا۔ جلسہ کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احمدی حضورؒ کی دعاؤں کے نتیجہ میں برکات کی جھولیاں بھر کر واپس لوٹ رہے ہیں۔

اہل ربوہ کے متعلق آپ نے فرمایا ربوہ میں ابراہیمیؑ صفت باپ۔ حضرت ہاجرہ کی صفت رکھنے والی مائیں۔ اور حضرت اسماعیلؑ کی صفت کے بچے دیکھنے میں آتے ہیں۔ الغرض ربوہ کا شہر ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے اتنے پاکیزہ شہر کا قیام نصرتِ الٰہی کے بغیر ناممکن تھا۔ جلسہ کے انتظامات کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ ساری دنیا میں ربوہ ہی ایسی جگہ ہے جہاں اس قدر کثیر التعداد لوگوں کے لئے طعام و قیام کا وسیع پیمانے پر عمدہ انتظام کیا جاتا ہے۔ میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے یہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ بلکہ میرے ساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا کہ مجھے یہ محسوس ہی نہیں ہوا کہ میں اپنے گھر سے باہر ہوں۔ پاکستانی کھانوں کے بارہ میں فرمایا کہ پاکستانی کھانے مجھے پسند ہیں۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ کون سا کھانا سب سے اچھا تھا تاہم دال اور مچھلی بہت اچھی تھی۔

کارکنان نے نہایت عمدہ طور پر ہماری خدمت کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ آمین!

نمائندہ انڈونیشیا

انڈونیشیا سے اس دفعہ جلسہ سالانہ پر ۱۲ افراد پر مشتمل وفد ربوہ آیا۔ ان کے نمائندہ جناب آر۔ ابو احمد کوسامسی (انجینئر) تھے۔ آپ بنڈونگ مغربی جاوا انڈونیشیا سے تشریف لائے۔ آپ نے بتایا کہ میں پہلی بار ربوہ میں آیا ہوں۔ میں نے ۱۳ مئی ۱۹۷۳ء کو بنڈونگ سے چالیس میل دور کوسینگ مقام پر احمدیت قبول کی

ربوہ کے متعلق صرف یہی تاثر ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیشہ ترقی کرے اور اس کی (ظاہری و باطنی) خوبصورتی میں کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

(جلسہ سالانہ کے وسیع انتظامات، منظم اور مستحد انتظامیہ سب سے زیادہ متاثر کرنے والی ہے

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتظامات جادو تھا ہیں ربوہ کے لوگ اسلامی معاشرہ اختیار کرنے والے ہیں۔ وہ سادہ لوح مگر با اعتماد ہیں۔

ربوہ شہر کی اپنی خصوصیات ہیں۔ جب سے میں محکمہ زراعت میں کام کر رہا ہوں۔ یہ امر میرے دل میں راسخ ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین (ربوہ) کو بھی بے آب وگیاہ اور بے فائدہ نہیں بنایا۔ یہ خیال مادہ پرستوں کا ہے۔ انشاء اللہ ربوہ سرسبز و شاداب ہو گا۔ ربوہ میں دوران قیام میں نے کوئی تکلیف محسوس نہیں کی۔

پاکستانی کھانوں کے بارہ میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت اچھا معدہ دیا ہے میں ایسے کھانے بہت پسند کرتا ہوں۔

کارکنان کے متعلق فرمایا کہ وہ چاک وچوبند چوکس، فرماں بردار اور مستعد ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے جو اللہ عزوجل کی رضا ہے۔

نمائندہ امریکہ

امسال جماعت احمدیہ امریکہ سے آنے والے چودہ افراد پر مشتمل وفد کے امیر مکرم مظفر احمد صاحب ظفر چوتھی بار جلسہ پر تشریف لائے گزشتہ سال آپ کا انٹرویو ماہنامہ خالد میں شائع ہوا تھا۔ اس دفعہ ربوہ میں پہلی بار تشریف لانے والے امریکی وفد کے ایک نومسلم احمدی محمد عبد اللہ موسیٰ کا انٹرویو لیا گیا۔

جناب محمد عبد اللہ موسیٰ نے بتایا کہ میں نیو جرسی کے شہر ڈیٹن سے آیا ہوں۔ ربوہ آنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ میں نے فروری ۱۹۷۵ء میں اسلام و احمدیت کو قبول کیا۔

ربوہ اور جلسہ کے تاثرات کے متعلق فرمایا کہ (یہاں سے جو روحانی برکات میں نے حاصل کی ہیں وہ تاثرات سے کہیں بالا ہیں اور الفاظ ان کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ ربوہ کے بارہ میں بتایا کہ یہ بہت ہی پرامن شہر ہے

جلسہ کے وسیع انتظامات کے بارہ میں فرمایا کہ نہایت عمدہ اور منظم ہیں۔

اس سوال کے جواب میں کہ آپ کو کوئی مشکل محسوس ہوئی۔ آپ نے کہا کہ بالکل وقت پیش نہیں آئی ہاں! میرے لئے مسرت و شادمانی کے آنسوؤں کا ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ پاکستانی کھانوں کے بارہ میں فرمایا کہ کھانے تمام لذیذ تھے تاہم تلی ہوئی مچھلی مجھے خاص طور پر پسند آئی

کارکنان کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ میں نے انتہائی مہنگے ریستورانوں میں کھانا کھایا ہے اور ان کی عمدہ خدمت کا معاوضہ ادا کیا ہے لیکن ہمارے ان بھائیوں کی رضاکارانہ خدمت نہایت اعلیٰ اور ان اعلیٰ ہوٹلوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ ہمارے کارکن بھائیوں نے کھانے کی لذت میں خلوص کی شیرینی و نمک کا اضافہ کیا۔

(باقی صفحہ ۴۵ پر)

پیشگوئی مصلح موعود (۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معرکۃ الآراء تصنیف براہین احمدیہ جلد چہارم ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو ایک نئے رنگ میں دنیا پر ظاہر کرنے والی تھی۔ اس لئے آریوں، ہندوؤں، عیسائیوں اور برہموؤں وغیرہ نے مل کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر حملہ کر دیا۔ اور مسلمان بھی ان میں شامل ہو گئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اشتہاروں کے ذریعہ دشمنوں کا مقابلہ شروع کر دیا اور خدا تعالیٰ سے نہایت درد کے ساتھ اسلام کی تائید کے لئے دعائیں مانگیں اور خاص دعاؤں کے لئے چالیس دن تک چلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ دعاؤں اور استخاروں کے نتیجہ میں آپ کو بتایا گیا کہ آپ ہوشیار پور میں چلہ کریں۔ چنانچہ آپ نے ۲۲ جنوری ۱۸۸۶ء کو ہوشیار پور کے رئیس شیخ مہر علی صاحب کے بالا خانہ میں چلہ کشی کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور علیحدگی میں دعائیں کیں۔

اسی دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر بعض عظیم الشان انکشافات ہوئے جن کی بنیاد پر ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو ہفتہ کے دن ہوشیار پور میں ہی آپ نے ایک اشتہار لکھا جس کا کچھ حصہ یہ ہے:۔

"پہلی پیشگوئی بالہام اللہ تعالیٰ و اعلامہ عزّ و جلّ خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر یک چیز پر قادر ہے (جلشانہ و عز اسمہ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح و ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں

ہیں۔ موت کے پنجہ سے نجات پاویں
اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر
آویں اور تا دینِ اسلام کا شرف اور
کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور
تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے
اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ
بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں
قادر ہوں۔ جو چاہتا ہوں کرتا ہوں
اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے
ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا
کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور
خدا اور خدا کے دین اور اس کی
کتاب اور اس کے پاک رسول محمد
مصطفےٰ صلعم کو انکار اور تکذیب کی
نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی
ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے
سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ لڑکا
تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام
(لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی
تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔
خوبصورت، پاک لڑکا تمہارا مہمان
آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی
ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی
ہے اور وہ رجس سے پاک ہے اور وہ
نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے
آتا ہے اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے
آنے کے ساتھ آئیگا۔ وہ صاحب شکوہ
اور عظمت اور دولت ہوگا وہ دنیا میں
آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی
برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف
کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی
رحمت و غیوری نے اسے اپنے کلمۂ تمجید سے
بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور
دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا
جائیگا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا
(اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ
ہے۔ مبارک دو شنبہ فرزند دلبند گرامی
ارجمند مظہر الاول و الآخر مظہر الحق والعلاء
کان اللہ نزل من السماء جس کا نزول
بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا
موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا
نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح
کیا ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور
خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد
جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رستگاری
کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک
شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت
پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی
طرف اٹھایا جائے گا۔ وکان امراً
مقضیاً۔ (بحوالہ الموعود صفحہ ۱۳-۱۶)
(اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء)

امریکہ میں احمدیہ مسلم مشن اور تبلیغ اسلام

جناب محمد شفیق قیصر ربوہ

نئی دنیا یعنی امریکہ کی متعدد ریاستوں میں جماعت احمدیہ کے مشن قائم ہیں۔ جن کے ذریعہ اہل امریکہ بھی اسلام اور احمدیت میں داخل ہو رہے ہیں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب تبلیغ اسلام کے ایک وسیع نظام کی بنیاد پڑی تو اس وقت نئی دنیا یعنی امریکہ میں بھی تبلیغی مشن قائم کیا گیا اس مشن کی ابتداء ۱۹۲۰ء میں مسلمانانِ ہند کی تحریکِ خلافت سے ہوئی۔ اس زمانہ میں بعض حکومتیں ترکی کی حکومت کو ختم کرنے پر تلی ہوئی تھیں اور امریکی حکومت بھی اس میں پیش پیش تھی۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زمانہ میں "ترکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض" کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا جس میں یہ نکتہ بھی بیان فرمایا کہ امریکہ ترکی کی مخالفت مذہبی تعصب کی وجہ سے کر رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل امریکہ کو اسلام سے اس قدر بُعد ہے اور آباؤ اجداد سے ان کے دلوں میں اسلام کی نسبت اس قدر بدظنیاں بٹھائی گئی ہیں کہ وہ اسلام کو ایک عام مذہب کے طور پر قیاس نہیں کرتے بلکہ ایک ایسی تعلیم خیال کرتے ہیں۔ جو انسان کو انسانیت سے نکال کر جانور اور وہ بھی وحشی جانور بنا دیتی ہے۔ ان کے نزدیک اسلام ایسی وحشیانہ تعلیم دیتا ہے کہ اس کی موجودگی میں رحم اور انصاف دل میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ طبعاً اپنے مذہب یا اپنے خیال کے سوا ہر ایک مذہب اور عقیدہ کو غلط اور جھوٹا سمجھتے ہیں۔

پھر حضور رضی اللہ عنہ نے اس رسالہ میں ہندوستان کے مشہور سیاسی لیڈر (جو آریہ سماجی تھے) لالہ لاجپت رائے کا ایک بیان نقل کر کے مغربی ممالک میں تبلیغ اسلام سے متعلق مسلمانوں کو غیرت دلائی۔ لالہ لاجپت رائے صاحب اپنے ایک بیان میں لکھتے ہیں:۔

"مجھے اپنے سفروں میں اس سے زیادہ کسی امر نے تکلیف نہیں دی جس قدر کہ اس گہری ناواقفیت اور سخت تعصب نے جو اسلام اور اسلامی ممالک کے متعلق امریکہ میں پھیل رہا ہے۔ ممالک متحدہ میں۔ آپ کو چین، اور ہندوستان کے ہمدرد تو ملیں گے۔ لیکن میں نے اپنے

پانچ سالہ سفروں میں ایک شخص بھی ایسا
نہیں دیکھا جو اسلام اور اسلامی ممالک
کے متعلق کوئی کلمۂ خیر منہ سے نکالتا ہو
...... مسلمانانِ ہند پر ان کے مذہب
ان کے ہم مذہبوں اور خود اپنے نفسوں
کی طرف سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی
ہے کہ وہ چند لائق آدمی تمام ذو نفوذ
ممالک میں بطور اپنے وکلاء کے مقرر کریں
یہ ایک ایسی ضرورت ہے جو فوری توجہ
چاہتی ہے یہ تمام ہندوستانیوں کا
بلا تفریق و مذہب فرض ہے کہ وہ
اسلام کی عزت کو بدنامی کے صدمہ سے
بچائیں اور جب کبھی انھیں کسی مفید
نتیجہ کی امید ہو مسلمانوں کے لئے بھی اس
انصاف اور حق کا مطالبہ کریں۔ جس
کا مطالبہ دوسری اقوام کے لئے کیا جاتا
ہے لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ خود
مسلمانوں پر ایک ایسی ذمہ داری ہے
کہ جسے انھیں بغیر تاخیر اور بغیر پہلو تہی
کے بجا لانا چاہیئے۔ اگر وہ اس ذمہ داری
کے بجا لانے سے غفلت کریں گے تو
اس کا نقصان خود اٹھائیں گے"۔

حضورؓ نے لالہ صاحب کے اس بیان کو نقل کرنے کے بعد
مسلمانوں کو تلقین فرمائی۔ کہ جب تک وہ مغربی ممالک
میں اسلام کے پیغام کو نہیں پہنچائیں گے اور جب تک
اہلِ مغرب کے دماغوں سے اسلام کی وہ بھیانک تصویر جو
صدیوں سے ان کے ذہنوں میں قائم کر دی گئی ہے نہ نکالی گئی۔
مسلمان اپنی دنیاوی مصائب و مشکلات سے ہرگز ہرگز
رہائی نہیں حاصل کر سکتے۔

حضورؓ فرماتے ہیں :-

"میرا ارادہ جلد ہی امریکہ میں بھی ایک مشن
قائم کرنے کا تھا مگر امریکہ سے اس غیر
مذہب والے کی آواز نے مجھے اور بھی جلد
اس کام کے کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے"

لالہ لاجپت رائے صاحب کے اس بیان کے ذریعہ حضور رضی اللہ
عنہ کے علاوہ مسلمانوں کے بعض اخبارات نے بھی اپنی قوم
کو جھنجھوڑا مگر وہ اس خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوئی اور
ہوتی بھی کیوں؟ جبکہ یہ عظیم الشان کام اللہ تعالیٰ اِس
خادمِ اسلام جماعت سے لینا چاہتا تھا۔

۱۹۲۰ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحبؓ
کو جو اس وقت انگلستان میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ سرانجام
دے رہے تھے بذریعہ تار امریکہ جانے کا حکم دیا۔ حضرت
مفتی صاحبؓ نے حضورؓ کا ارشاد پہنچتے ہی امریکہ جانے کی
تیاری شروع کر دی اور ۲۴ جنوری ۱۹۲۰ء کو ساحلِ امریکہ
پر جا اترے۔ آپ کے امریکہ پہنچنے پر Immigration
Department کے ارکان نے آپ کو ساحل پر ہی روک
لیا اور آپ کو تبلیغِ اسلام کے لئے اجازت نہ دی اور
آپ کو نظر بند کر دیا۔

آپؓ جس مکان میں نظر بند تھے اس میں کچھ یورپین

بھی نظر بندی کی حالت میں رہ رہے تھے۔ یہ لوگ حضرت مفتی صاحبؓ کا بڑا ادب کرتے تھے۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر حضرت مفتی صاحبؓ نے ان نوجوانوں کو تبلیغ شروع کر دی جس کے نتیجہ میں ایک ایک کر کے پندرہ آدمی مسلمان ہو گئے۔

اِدھر یہ صورت تھی اُدھر امریکہ کے اخبارات میں حضرت مفتی صاحب کی امریکہ میں آمد اور ملک میں داخلے کی ممانعت کا بہت شہرہ ہوا اور بعض مشہور ملکی اخبارات نے نہ صرف آپ کی آمد کے بارہ میں لکھا بلکہ جماعت احمدیہ کے حالات بھی شائع کئے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو جب حضرت مفتی صاحب کی نظر بندی کی اطلاع ملی تو آپ نے امریکی حکومت کے اس رویہ پر سخت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"امریکہ جسے بڑا طاقتور ہونے کا دعویٰ ہے اس وقت تک اس نے مادی سلطنتوں کا مقابلہ کیا ہے اور انہیں شکست دی ہوگی۔ روحانی سلطنت سے اس نے مقابلہ کر کے نہیں دیکھا اب اگر اس نے ہم سے مقابلہ کیا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ہمیں وہ ہرگز شکست نہیں دے سکتا۔ کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ہم امریکہ کے اردگرد کے علاقوں میں تبلیغ کریں گے اور وہاں کے لوگوں کو مسلمان بنا کر امریکہ بھیجیں گے اور ان کو امریکہ نہیں روک سکے گا۔ اور ہم امید رکھتے ہیں کہ امریکہ میں ایک دن لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی صدا گونجے گی اور ضرور گونجیگی"

(الفضل ۱۵ اپریل ۱۹۲۰ء صفحہ ۱۲)

بالآخر مئی ۱۹۲۰ء کے آغاز میں امریکی حکومت نے حضرت مفتی صاحب سے پابندی اٹھا لی اور آپ نے امریکہ میں داخل ہو کر تبلیغِ اسلام کا کام شروع کر دیا۔

آپ نے نیو یارک میں ایک مکان کا حصہ لیکچروں اور دفتر کے لئے کرایہ پر لے کر تبلیغِ اسلام کا کام شروع کیا اور سعید روحیں حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگیں۔ اس کے بعد آپ نے ڈیٹرائٹ میں چند ماہ قیام فرمایا اور عرب آبادی میں جا کر خاص طور پر پیغامِ حق پہنچایا۔ پھر اکتوبر ۱۹۲۱ء میں آپ شکاگو منتقل ہو گئے وہاں آپ نے ایک عمارت خرید کر امریکی مشن کا مرکز قائم کیا۔ (اس عمارت کو بعد میں مسجد کی شکل دے دی گئی اور اب یہ "مسجد شکاگو" کے نام سے مشہور ہے) اور "دی مسلم سن رائز" کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ بھی جاری کیا۔

حضرت مفتی صاحب ۲۰ نومبر ۱۹۲۳ء کو قادیان واپس آ گئے اور امریکہ مشن کا چارج حضرت مولوی محمد الدین صاحب نے لے لیا۔

حضرت مولوی محمد الدین صاحب نے اپنے عہد میں امریکہ کے طول و عرض میں تبلیغی حدود کو اور زیادہ وسعت دی اور کئی امریکنوں کو مسلمان کیا۔ آپ جنوری ۱۹۲۳ء میں قادیان سے تشریف لے گئے اور ۲۰ جون ۱۹۲۵ء کو

واپس تشریف لے آئے۔

۲۰ مئی ۱۹۲۸ء کو مکرم صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی مشن کے باقاعدہ انچارج بنا کر بھیجے گئے جو ۱۸ اگست ۱۹۲۸ء کو شکاگو پہنچے۔ ملک میں ان دنوں گورے اور کالے کا سوال بہت شدت سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور شکاگو مشن کالے باشندوں کی آبادی میں ہونے کی وجہ سے سفید فام لوگوں کی آمد و رفت بہت کم تھی۔ اس لئے صوفی صاحب نے ۱۹۲۹ء میں شہر کے مرکز میں ایک اور مکان کرایہ پر لے لیا جو شہر کے وسط میں واقع ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے لوگوں کے لئے با آسانی تبلیغی سنٹر بن گیا۔

مکرم صوفی صاحب ۱۳ دسمبر ۱۹۳۵ء کو واپس قادیان آئے اور دوبارہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو امریکہ بھیجے گئے۔ جہاں آپ بارہ سال تک تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دینے کے بعد ۱۹۴۸ء میں واپس آئے آپ نے اپنے زمانہ قیام میں رسالہ "مسلم سن رائز" کی اشاعت کے علاوہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور قبر مسیح پر شاندار تصانیف شائع کیں۔ علاوہ ازیں آپ نے متعدد پمفلٹ اور ٹریکٹ صداقت اسلام پر شائع کئے۔ آپ کے ذریعہ امریکہ میں متعدد نئی جماعتیں قائم ہو گئیں۔

۱۹۳۶ء میں حضرت صوفی صاحب کے ذریعہ ایک مسجد قائم ہوئی اس کے افتتاح کے موقعہ کی کارروائی کو مختلف اخبارات نے نقل کیا۔ ایک اخبار "STANLEY" نے افتتاح کے موقعہ پر صوفی صاحب کی تقریر کا حوالہ دے کر لکھا:

"ہمارے ملک کی نجات جلد یا بدیر کی نئی تحریک سے نہیں ہو گی بلکہ اسلام کی تحریک سے ہو گی جو یہ شخص پیش کر رہا ہے۔" (بحوالہ الفضل جنوری ۱۹۳۶ء)

جماعت احمدیہ کے مبلغین کی تبلیغی کوششوں کے نتیجہ میں عیسائیوں کو اس طرف توجہ ہوئی اور انہوں نے ایک امریکن پادری ایچ کریمر کو ہندوستان کے دورہ کے لئے بھجوایا اور اس دورہ کی غرض یہ تھی کہ اس وقت ہندوستان میں اسلام کی حالت کا جائزہ لیا جائے پادری صاحب موصوف نے ہندوستان کے مختلف حصوں کا طویل دورہ کیا اور اس دوران میں وہ قادیان بھی آئے اور واپس جا کر انہوں نے اپنے دورہ کی جو رپورٹ لکھی وہ امریکہ کے دشمن اسلام رسالہ "مسلم ورلڈ" میں شائع ہوئی۔ اس رپورٹ میں پادری صاحب نے جماعت احمدیہ کے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا:-

"یہ جماعت فی زمانہ مسلمانوں کی نہایت عجیب جماعت ہے اور مسلمانوں میں صرف یہی ایک جماعت ہے جس کا واحد مقصد تبلیغ اسلام ہے .... ان لوگوں میں قربانی کی روح اور تبلیغ اسلام کا جوش اور اسلام کے لئے سچی محبت کو دیکھ کر دل سے بے تحاشا صد آفرین نکلتی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے (حضرت) مرزا غلام احمد (علیہ السلام) ایک زبردست شخصیت کے آدمی تھے .... میں جب قادیان گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں لوگ اسلام کے لئے جوش اور اسلام کی

آئندہ کامیابی کی امیدوں سے سرشار ہیں ...."

(رسالہ "مسلم ورلڈ" بحوالہ "تنظیم" ۱۳ جولائی ۱۹۶۳ء)

جماعت احمدیہ کی تبلیغی کوششوں کے اثر سے ایک اہم تبدیلی اہل امریکہ میں یہ ہوئی ہے کہ ان میں اسلامی علوم اور عربی زبان کا علم حاصل کرنے کی طرف توجہ ہوئی۔ پروفیسر حتی کے قول کے مطابق :-

انیسویں صدی کے آخر تک تاریخ میں تمام امریکہ میں صرف ایک استاد تھا جس نے عربی زبان کا کورس لیا۔ اس سے قبل جو لوگ عربی زبان کا کورس لیتے تھے وہ اس غرض سے ہوتا تھا کہ اس سے انھیں عبرانی یا دیگر سامی زبانیں سیکھنے میں مدد ملتی تھی۔ بالفاظ دیگر امریکہ کی بعض یونیورسٹیوں میں سامی زبانوں کے عالم تو ہوتے تھے مگر عربی زبان کے عالم نہیں ملتے تھے۔ اور اسی وجہ سے ایک لمبے عرصہ تک اسلامی کلچر اہل امریکہ کے لئے مدفون خزانے کی شکل میں رہا۔

گزشتہ جنگ عظیم تک امریکہ کی صرف دس یونیورسٹیوں نے عربی زبان کو اپنے ہاں داخل نصاب کیا مگر وہ بھی صرف گریجوایٹ کی سطح پر۔

پروفیسر حتی کے خیال کے مطابق اسلامیات اور عربی زبان کے رواج نہ پاسکنے کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ یہاں کے باشندوں کو اسلام کے خلاف تعصب تھا۔ اور اس کے علاوہ یہاں کے لوگوں کو اپنے نسلی تفوق اور ذہنی برتری پر بھی اس قدر فخر تھا کہ وہ اپنے کلچر کے سوا دوسرے لوگوں کے علم اور کلچر کے مطالعہ کو بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے .... ان وجوہات کی بناء پر امریکی تاریخ میں ایسے دور بھی گزرے ہیں جب عربی یا اسلامیات کا مطالعہ کرنے والے عالم کے بارہ میں یہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ اس کے دماغ میں کوئی نقص ہے۔

دوسری جنگ عظیم نے امریکہ کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کردیا جس کی وجہ سے اسے ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ دیگر اقوام کے خیالات اور نفسیات سے واقف ہو اور بالخصوص مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور روایات سے، اس کے نتیجہ میں جنگ کے دوران میں ہی امریکہ کی کئی یونیورسٹیوں میں عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کو نصاب میں داخل کردیا گیا اور اس وقت سے امریکہ یوں شعوری طور پر یہ احساس پیدا ہوا کہ یہاں کے لوگ اسلامیات کے مختلف گوشوں سے تعارف پیدا کریں اور اسلامی ثقافت و تمدن کا مطالعہ کریں۔ نیز ان مسائل کو بھی اپنے زیر مطالعہ لائیں جو آج کل عالم اسلام کو درپیش ہیں۔

چنانچہ سب سے پہلے ۱۹۴۷ء میں پرنسٹن یونیورسٹی نے اس طرف توجہ کی اور اس کے بعد مشی گن یونیورسٹی اور پھر ہارورڈ اور کولمبیا کی یونیورسٹیوں نے اسے اپنایا اور اپنے ہاں عربی اور اسلامیات کے سیکشن جاری کئے۔ اس کے بعد کیلیفورنیا، لاس اینجلز کی یونیورسٹیاں بھی اس پروگرام میں شامل ہو گئیں۔

اسی طرح کینیڈا میں Magill Uni-versity نے ۱۹۵۲ء میں ایک ادارہ قائم کیا جس میں مذہب اسلام کے متعلق خاص طور پر تحقیقات کی جاتی ہیں۔

اس وقت امریکہ میں تقریباً بیس یونیورسٹیاں ایسی ہیں جہاں عربی، زبان کی ادب، اسلامی علوم، تاریخ اسلام اسلامی قانون، اسلامی فلسفہ، سائنس وغیرہ علوم سے متعلق اعلیٰ پیمانے پر تعلیم کا انتظام ہے اور ان تمام مضامین میں ایم اے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں دی جاتی ہیں۔

اس بارہ میں پروفیسر حتی لکھتے ہیں:۔

"وقت قریب آرہا ہے جبکہ امریکہ کی کوئی یونیورسٹی ایسی نہیں ہوگی جس میں اسلامیات سے متعلق تعلیم اور ریسرچ کے مواقع واسباب موجود نہ ہوں۔ جن میں یہ نہیں ہوگا وہ اپنے آپ کو قابلِ فخر نہیں قرار دے سکیں گی۔" (پاکستان کوارٹرلی بحوالہ طلوعِ اسلام ۳ر دسمبر ۱۹۵۵ء)

اب خدا کے فضل سے امریکنوں میں اسلام کے متعلق کتابیں لکھنے کا رجحان ترقی کر رہا ہے اور ان کے رویّے میں پہلے سے بہت زیادہ تبدیلی آچکی ہے اور اب جو کتابیں وہ لکھ رہے ہیں ان میں اسلام کے متعلق ان کا رویہ ہمدردانہ ہے۔ چنانچہ ایک عیسائی محقق کا امریکن رسالہ "ریڈرز ڈائجسٹ" کی جون ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں "ISLAM, the misunderstood religion" کے عنوان سے شائع ہوا تھا ریڈرز ڈائجسٹ کے ادارہ سے اجازت لے کر اس مضمون کو دس ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا تھا۔ یہ کتاب مختلف اسلامی ممالک کے علماء کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کا اردو ترجمہ "اسلام اور صراطِ مستقیم" کے نام سے چھپ چکا ہے۔

صوفی مطیع الرحمان صاحب بنگالی مرحوم رضی کے بعد جن مبلّغین نے امریکہ میں تبلیغ کا فریضہ ادا کیا ان کے اسماء حسبِ ذیل ہیں:۔

چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر ایم اے (شکاگو واشنگٹن) چوہدری غلام یٰسین صاحب بی اے (نیویارک واشنگٹن) مرزا منور احمد صاحب مولوی فاضل مرحوم رضی (جو پٹس برگ میں ہی فوت ہوئے) چوہدری شکر الٰہی صاحب (سینٹ لوئیس) عبدالقادر صاحب ضیغم مولوی فاضل (پٹس برگ) مولوی نورالحق صاحب انور مولوی فاضل۔ (نیویارک) سیّد جواد علی صاحب بی اے (ڈیٹرائیٹ) امین اللہ خان سالک شاہد بی اے (شکاگو) صوفی عبدالغفور صاحب بی اے (واشنگٹن نیویارک) عبدالرحمٰن خان صاحب بنگالی بی اے مرحوم (واشنگٹن پٹس برگ) راجہ عبدالحمید صاحب (ڈیٹن)۔

اس وقت جماعت احمدیہ کے چار مبلّغ امریکہ میں تبلیغِ اسلام کے کام میں مصروف ہیں یعنی مولانا محمد صدیق صاحب مشنری انچارج، میاں محمد ابراہیم صاحب جمونی (ڈیٹن) مکرم مسعود احمد صاحب جہلمی اور مکرم صوفی عبدالغفور صاحب۔

جماعت احمدیہ کے مبلغین کی کوششوں سے تقریباً تین ہزار امریکن حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں، اور جماعت احمدیہ کے ذریعہ اسلام قبول کرنے والے یہ مسلمان خدا تعالیٰ کے فضل سے سچے مخلص اور اسلامی

احکام پر عمل کرنے والے ہیں کوئی امریکن احمدی شراب نہیں پیتا نہ ہی سور کا گوشت کھاتا ہے اور باقاعدہ جماعت کے ساتھ منسلک ہیں۔ جماعتی اجلاسوں میں شریک ہوتے ہیں اور اشاعت اسلام کے لئے چندہ بھی دیتے ہیں۔

جماعت احمدیہ کے علاوہ مسلمانوں کی بھی بہت سی جماعتیں ہیں۔ سب سے اہم اسلامک سنٹر ہے جس کی تعمیر میں تمام اسلامی ممالک نے حصہ لیا ہے۔ اس تبلیغی سنٹر کے متعلق ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم ڈائرکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور جنہیں متعدد مرتبہ امریکہ جانے کا موقع ملا اور جنہوں نے وہاں کے مسلمانوں کی مذہبی حالت کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:—

"سب سے زیادہ عظیم الشان مسجد واشنگٹن میں بنائی گئی ہے۔ جو تمام اسلامی مملکتوں کے چندے سے بنی ہے اس کو اسلامک سنٹر کہتے ہیں۔ .... اس سنٹر پر غالباً ایک ملین ڈالر سے زیادہ خرچ ہو چکا ہے۔ لیکن یہاں بھی نہ باقاعدہ نماز کا انتظام ہے اور نہ اسلام کے متعلق تعلیم و تلقین اور تبلیغ کا کوئی ادارہ ہے۔ بس ایک بے روح خوبصورت جسم ہے۔ تعجب ہے امریکہ میں رہتے ہوئے بھی مسلمان عیسائیوں کے دینی اداروں سے کوئی سبق نہیں حاصل کرتے کہ وہاں کس قدر اعلیٰ درجہ کی تنظیم اور تعلیم کا انتظام ہے۔ نہ کوئی صحیح جذبۂ دین ہے جو عمل کی صورت اختیار کر سکے اور نہ ہی کوئی معقول انسان ان مسجدوں کو ملتا ہے۔" (ماہنامہ ثقافت ستمبر ۱۹۵۶ء)

جماعت احمدیہ کی تبلیغی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ صاحب لکھتے ہیں:—

"مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے جو تمام دنیا میں تبلیغ کے لئے عیسائیوں کی طرح مشنری بھیجتا ہے لیکن یہاں مسلمانوں کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرقہ عام مسلمانوں سے الگ ہو گیا ہے۔ اور اس کے بعض پیرو دوسرے مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے تو وہ اس فرقہ کے مبلغوں سے گھبراتے ہیں......... اس فرقہ کے علاوہ مسلمانوں کے دیگر علماء اور ملا فرقہ داری مناقشوں میں الجھے ہوئے ہیں یا اپنی ذاتی اغراض کے احاطے سے باہر قدم نہیں رکھتے تمام عالم اسلامیہ میں سے دس بیس اہل دل بھی ایسے نہیں مل سکتے جو امریکہ میں جا کر اسلام کا کام کر سکیں، ملا جدید تعلیم سے عاری ہے اور ہمارے مغرب زدہ تعلیم یافتہ لوگ نہ مسجدوں کی امامت پر آمادہ ہیں اور نہ تبلیغ و تعلیم

کا کام کرنا چاہتے ہیں۔"

(ماہنامہ ثقافت" ستمبر ۱۹۵۶ء)

امریکہ میں اس وقت ۲۵ مقامات پر باقاعدہ جماعتیں قائم ہیں جن میں خدا تعالیٰ کے فضل سے مخلص اور پرجوش احمدی پائے جاتے ہیں۔ امریکہ میں جماعت احمدیہ کی تبلیغ اسلام کے کام میں جو بھاری کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے پاکستان میں امریکی سفارت خانے کا ترجمان "پنیوراما" لکھتا ہے:-

"1,000 American Converts to Islam by Ahmadiyya."

(پنیوراما - ۳ جنوری ۱۹۵۲ء ص)

یعنی امریکہ میں ایک ہزار نو مسلم جماعت احمدیہ کی مساعی کے نتیجہ میں اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔

یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ امریکہ میں اب عیسائیت کی ناکامی کا آغاز ہو چکا ہے اور وہ دن دور نہیں جب یہ عظیم براعظم اسلام کی آغوش میں ہوگا۔

چند سال ہوئے ایک امریکن پادری نارمن ونسنٹ پیل (Norman Vincent Peal) نے امریکہ میں عیسائیت کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے مشہور عالم رسالہ "ریڈرز ڈائجسٹ" ستمبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں لکھا تھا:-

"گزشتہ سال ہوسم بہار میں عوامی رجحانات کا جائزہ لینے کا ایک خاص اہتمام کیا گیا تھا اس کے نتیجہ میں پتہ چلا کہ گرجوں میں حاضری بتدریج روز بروز گر رہی ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب کا اثر روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے ان کی تعداد پہلے کی نسبت دوگنی سے بھی زیادہ ہو گئی ہے .... ایک اور جدید رجحان یہ ہے کہ بائیبل کو خدا کا مستند الہامی کلام تسلیم کرنے میں پس و پیش سے کام لیا جا رہا ہے۔ یہ اب محض ایک دینی کتاب کے طور پر استعمال کی جاتی ہے اور اس منہ بولتی تصدیق کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی کہ "خداوند کا فرمان یہ ہے۔" یقیناً "خداوند کا فرمان اور انا جیل وہ بنیادیں ہیں جن پر پروٹسٹنٹ ازم قائم ہے۔ جب یہ بنیاد ہی کمزور ہو جائے تو پھر پوری عمارت کا متزلزل ہونا لازمی ہے۔"

(بحوالہ انصار اللہ - ربوہ - دسمبر ۱۹۶۲ء ص ۴۲ تا ۴۳)

O

"خالد"

آپ کو کیسا لگا؟ ہمیں آپ کی رائے کا انتظار رہے گا!

تحقیقی مقالہ

انسان اور آگ

جناب شیخ عبد القادر، لاہور

اردو کا لفظ آگ، سنسکرت میں اگنی، پنجابی میں اگ، اور انگریزی میں اسی مادہ سے IGNEOUS IGNITE مستعمل ہے۔ یہ سب الفاظ بھی ام الالسنہ کے روٹ "اج" کا پتہ دیتے ہیں۔ جس کے معنے ہیں آگ کا شعلہ مارنا۔ اور پھر گن ـــــ یا جوج ماجوج (گاگ، میگاگ) نام بھی اسی سے مشتق ہے۔

انسان اور آگ کا تعلق بہت دیرینہ ہے۔ آج سے لاکھوں سال پہلے ہمارے آباؤ اجداد جو درندوں کے خوف اور موسمی حالات کی وجہ سے غاروں میں رہائش پذیر تھے آگ کی افادیت سے واقف تھے۔

ابتدائی انسان کا واسطہ آگ سے کچھ اس طرح پڑا کہ دَرخت کا ایک کڑکا ہوا۔ غار پر بیٹھا ہوا آدمی کے سامنے ایک نخل جلنے لگا۔ اور پھر سارے جنگل کو آگ لگ گئی۔ سب کچھ جل بھن کر رہ گیا۔ ایک انسان جنگل سے بُھنا ہوا گوشت لے آیا اس نے خود بھی کھایا اور ساتھیوں کو بھی کھلایا۔ اسے سب نے پسند کیا اور پھر لوگ کچے گوشت کی بجائے بُھنا ہوا مزیدار گوشت کھانے لگے۔ انھوں نے سوچا کہ آئندہ کے لئے اس آگ کو محفوظ رکھ لیا جائے اور یوں پہلے پہل آگ مسخر ہو گئی۔ اور حضرت انسان کے کام آنے لگی مگر اس طریق میں مشکل یہ تھی کہ الاؤ بجھ جاتے۔ انہوں نے سوچا کہ آگ پیدا کرنے کا خود کار طریق ہونا چاہیئے۔ ان کا مشاہدہ تھا کہ ہاتھوں کو رگڑنے سے تلیاں جلنے لگتیں۔ پتھر یا چوب خشک رگڑو تو حرارت یا چنگاری پیدا ہوتی۔ انھوں نے تجربے کئے اور ایک نئی ایجاد "جب چاہو آگ پیدا کر لو" منصۂ شہود پر آ گئی۔ یعنی چوب خشک یا پتھروں کے رگڑنے سے آگ پیدا ہوئی۔ اور اس کے الاؤ پر قبیلہ فرطِ مسرت سے رقص کرنے لگا۔ پھر چقماق کا ٹکڑا کہیں سے مل گیا۔ چنگاریاں پھوٹنے لگیں یوں ہمارے پرانے بزرگوں نے گویا "لائیٹر" بنا لئے۔ یہ اس زمانہ کے ترقی یافتہ لوگ تھے

(۱) آسمانی بجلی

(۲) آتش فشاں

(۳) سوکھے گھاس کے ڈھیر میں خود بخود آگ لگ جانا یا شدید آندھی میں درختوں کی رگڑ سے آگ پیدا ہونا۔

یہ تین ذرائع تھے جن کو دیکھ کر انسان نے آگ کو رام کرنا سیکھا ـــــ

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ آگ آفتابی حرارت کا

کا نام ہے جو پودوں کے مادۂ سبز (خَضِرَہ) کی صورت میں مجتمع ہو گئی اسے کہتے ہیں کلوروفل (CHLORO - PHYLL) یہ پودوں کو سبز رنگ دینے والا مادہ ہے جو سورج کی کرنیں جذب کر لیتا ہے۔ سورج مہاراج ایک دن گنگنا رہے تھے کہ

"پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے"

مشرک نے کہا۔ "سچ کہتے ہو بھگوان!"

موحّد نے کہا۔ " اترا نہیں۔ اصل نور اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا ہے۔"

سورج کا رنگ فق ہو گیا اور وہ زبانِ حال سے تسبیح میں مشغول ہو گیا ـــــــــ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے عین مطابق

اگر میں کہوں کہ سورج کی حرارت، مادۂ سبز (خَضِرَۃ) میں بدل گئی تو بات سائنس کے عین مطابق ہے۔ بہرحال انسان اور آگ کا تعلق چولی دامن کا ہے۔

چین نے حال ہی میں ایک باتصویر کتاب شائع کی ہے۔ نام ہے "THE CAVE HOME OF PEKING MAN" - اس کا ایک باب ہے:-

"THE USE OF FIRE.

A MILESTONE IN HUMAN HISTORY."

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ آگ تمدّن کی بنیاد ہے اور نوعِ بشر کی تاریخ میں سنگِ میل۔ آگ پر قابو پانے کے بعد انسان نے موسم کا مقابلہ کیا غاروں سے باہر نکلا۔ درندوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ گوشت اور چیزوں کو کچا چبا کھانے والا انسان مشعل پکڑ کر مہذب ہونے لگا۔

ابتدائی انسان درندوں کے خوف کے باعث غاروں میں رہتا تھا۔ یہ زمانہ انسان اور حیوان کی طویل جنگ کا تھا۔ آگ کی ایجاد کی وجہ سے انسان کی حیثیت بدل گئی۔ آگ کو لے کر وہ غاروں سے باہر نکلا اب اس نے خانہ بدوشانہ زندگی ترک کر دی اور متمدن انسان بن گیا۔ مہذّب ہو گیا۔ گویا آگ تہذیب و تمدن کی بنیاد ہے

اب آیئے قرآن حکیم کی آیات مبارکہ کی طرف جن میں انسان کی پیدائش اور مادۂ سبز (خَضِرَہ) سے آگ کے پیدا ہونے اور اس کی افادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے فرمایا:-

"کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو ایک (حقیر) قطرہ سے پیدا کیا ہے
پھر جب وہ پیدا ہوتا ہے تو اچانک سخت جھگڑالو بن جاتا ہے اور ہماری ہستی کے متعلق باتیں بنانے لگ جاتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے
اور کہنے لگتا ہے کہ جب ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟
تو کہہ دے ایسی ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا۔ جس نے ان کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کی حالت سے بخوبی واقف ہے۔
اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے سبز درختوں میں سے آگ پیدا کی ہے پس تم اسے بڑے کام لا کر آگے چلاتے ہو

کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا
کیا ہے اس بات پر قادر نہیں کہ ان
کی طرح کی اور مخلوق پیدا کر دے ؟
ایسا خیال کہ وہ پیدا نہیں کر سکتا درست
نہیں بلکہ وہ بہت پیدا کرنے والا اور
بہت جاننے والا ہے۔
اس کا معاملہ تو یوں ہے کہ جب
کبھی وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ فلاں چیز
ہو جائے تو وہ اس کے بارے میں کہہ
دیتا ہے کہ اس طرح ہو جائے اور وہ
اسی طرح ہو جاتی ہے۔ پس پاک ہے
وہ جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی
بادشاہت ہے اور جس کی طرف سب
کو لوٹا کر لے جایا جائے گا "

(سورۃ یٰسین)

کتنا خوب صورت بیان ہے۔ بظاہر روحانی
مضامین ـــــ لیکن ساتھ کے ساتھ فطرت کے
رُخ سے نقاب کشائی بھی ہو رہی ہے۔ آگ پودوں کی سبز قبا
میں اسیر ہے ـــــ کتنا بڑا انکشاف ہے ،
تخلیق کے باب میں صرف آگ کا ذکر اشارہ ہے
اس حقیقت کے لئے کہ آگ کا تہذیب انسانی میں کتنا
بڑا حصہ ہے۔

••

خلافت جوبلی علم انعامی

۲۸ دسمبر ۱۹۷۶ء کو جلسہ سالانہ کے دوسرے روز سیدنا
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے
خطاب سے قبل مکرم صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے اعلان
فرمایا کہ مجالس خدام الاحمدیہ کی کارکردگی ۱۹۷۶-۱۹۷۵ء کے لحاظ
سے مجلس خدام الاحمدیہ سوسائٹی کراچی خلافت جوبلی علم
انعامی کی مستحق قرار پائی ہے۔ اسی طرح مجلس خدام الاحمدیہ
فیکٹری ایریا شاہدرہ دوم اور مجلس خدام الاحمدیہ ڈرگ روڈ
کراچی سوم رہی ہے۔

مکرم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی
درخواست پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ
اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ شفقت اپنے دست
مبارک سے مکرم مرزا منیب احمد صاحب قائد خدام
الاحمدیہ سوسائٹی کراچی کو خلافت جوبلی علم انعامی عطا
فرمایا۔ اور دوم اور سوم آنے والی مجالس کو سند ہائے
خوشنودی عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ یہ اعزاز مبارک کرے ! آمین !

(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ)

○

الفردوس شال مرچنٹ
ہمارے ہاں ہر قسم کی گرم کشمیری شالیں، زنانہ و مردانہ دُھسّے اور گرم سمرنیہ تھوک و پرچون واجبی نرخوں پر ملتے ہیں۔ نیز ریڈی میڈ کرتے، شلواریں اور سوٹ وغیرہ بھی ہر قسم کے مل سکتے ہیں
الفردوس شال مرچنٹ
۸۵۔ انارکلی۔ لاہور

ایک ادبی مقالہ

اردو کے احمدی ادباء اور شعراء کا مختصر تذکرہ

جناب نسیم سیفی حال رئیس التبلیغ سیرالیون

(سلسلہ کے لئے دیکھیں "خالد" نومبر ۱۹۷۶ء ۱۹۷۵ء)

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی مرحوم رضی اللہ عنہ

حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی رضی اللہ عنہ سلسلہ کے سب سے زیادہ معروف صحافی، ادیب اور مورخ بزرگ ہیں۔ آپ نے اپنے جاری کردہ اخبار "الحکم" کے ذریعہ سلسلہ احمدیہ کے لئے ایک ایسا تاریخی مواد بہم پہنچایا کہ رہتی دنیا تک آپ کی یاد تازہ رہے گی۔ اس کے علاوہ آپ نے ناول بھی لکھے ہیں، زیادہ تر تبلیغی۔ ایک ناول "سلک مروارید" نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ ادب میں خطوط کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے خصوصاً ایسے خطوط جو اس نظر یہ سے نہ لکھے گئے ہوں کہ ان کو کبھی چھپوا دیا جائیگا، بلکہ روزمرہ کی زندگی کی ضروریات کے مطابق اپنے رشتہ داروں کو یا دوستوں کو خطوط لکھے گئے ہوں۔ آپ نے اپنے ایک فرزند کے نام جو تبلیغ احمدیت کے لئے مصر تشریف لے گئے تھے کچھ خطوط لکھے تھے جو بعد میں شائع کر دیئے گئے۔ یہ خطوط آپ کے دلی جذبات کے آئینہ دار ہیں اور آپ کی سادہ اور موثر نثر کا بہترین نمونہ۔ "جانِ پدر" کے نام سے یہ خطوط شائع ہوئے تھے اور غالباً یہ خطوط کبھی شائع نہ ہوتے اگر مصر کے مشہور اخبار نویس احمد ایک حافظ عوض سے ایک ملاقات کے دوران عرفانی صاحب کے بیٹے کو جنہیں یہ خط لکھے گئے تھے، یہ پتہ نہ چلتا کہ احمد بک کے لڑکے نے اپنے والد صاحب کے خطوط کو شائع کیا ہے۔ محمود عرفانی صاحب دیباچہ میں کہتے ہیں:۔

"جمال الدین نے مصر کے مشہور اخبار نویس اور اپنے باپ کے مادی خیالات کو نہایت حرص سے جمع کر کے شائع کر دیا۔ میں اُن قیمتی افکار کو جو میرے شفیق باپ نے جو ہندوستان کا ایک کہنہ مشق صحافی ہے میرے لئے جمع کیا۔ اور جو افکار تربیت آداب و اخلاق کا بہترین مجموعہ ہیں کیوں نہ پبلک میں لاؤں۔"

پہلا ہی خط سنیئے:۔

"آج جس مقصد عظیم کے لئے تم مجھ سے اور اپنے تمام اعزہ و احباب سے جدا ہو رہے ہو وہ خدا تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ

ہے اس لئے اگرچہ تمہاری یہ عارضی
جدائی ایک انسانی فطرت کے تقاضوں
کے لحاظ سے صدمہ رساں ہے مگر حقیقت
میں یہی وہ سعادت ہے جو انسان کی حقیقی
راحت کا باعث ہے۔ بس میں اپنے آپ
کو اور اپنے خاندان کو خوش قسمت پاتا
ہوں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس کام کی
توفیق دی۔ جو انبیاء علیہم السلام کی
بعثت کا مقصد ہوتا ہے۔ میں اس
موقع پر تمہیں کوئی خاص ہدایت اور
نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا
بجز اس کے کہ تمہارے سامنے یہ مقصد
عظیم محض اللہ کی رضا کے لئے ہو دنیا
کی کوئی خواہش اس کا باعث نہ ہو
یہاں تک کہ جذبات اور تخیلات میں
بھی اس کا اثر نہ ہو۔ تمہارے لئے
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا
اسوۂ حسنہ ہر وقت سامنے رہے
اور اپنی زندگی کو "قُلْ إِنَّ صَلَاتِي
وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔" کے عملی
رنگ میں رنگین کرو۔ اپنے مقصد کی
اشاعت و حصول کے لئے دنیا کا خوف
اور لالچ کبھی تمہارے سامنے نہ ہو
اپنے آپ کو ایک لاش کی طرح اللہ کے

حضور ڈال دو۔ نمازوں سے ہمیشہ کام
لو اور استغفار اور درود شریف
بکثرت پڑھو۔ استقلال اور جرأت
سے اظہار حق میں کوشاں رہو۔"

حضرت مولانا عبید اللہ بسمل مرحوم رضی اللہ عنہ

حضرت مولانا عبید اللہ بسمل ان اساتذہ میں سے
تھے جن کے ذکر کے بغیر احمدی ادباء اور شعراء کا تذکرہ مکمل
نہیں ہو سکتا۔ مولانا بسمل نے اردو کے علاوہ فارسی زبان
میں بھی بے بہا لٹریچر چھوڑا ہے۔

حضرت حافظ مختار احمد مرحوم رضی اللہ عنہ

حضرت حافظ مختار احمد برصغیر پاک و ہند کے
مشہور شعراء میں سے تھے۔ گو ایک عرصہ وہ گوشہ نشینی
کی زندگی گزارتے رہے لیکن جماعت احمدیہ کے شائع ہونے
والے لٹریچر میں انہوں نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ یعنی اکثر
کتب چھپنے سے پہلے انہیں دکھائی جاتی رہیں وہ مفید
مشورے دیتے اور ضروری اصلاح فرماتے تھے۔

خان ذوالفقار علی خان گوہر مرحوم رضی اللہ عنہ

علی برادران میں سے سب سے بڑے بھائی تھے
نہایت فصیح اللسان اور پُرگو، لیکن چونکہ سلسلہ کی خدمت
کے لئے اپنا ہر لمحہ وقف رکھتے تھے اس لئے اکثر نظمیں
سلسلہ ہی سے متعلق تھیں۔ غزل بھی خوب کہتے تھے۔ قومی
نظمیں بھی قابل داد ہیں۔ دو شعر سنیئے:۔

"یہ کون کہتا ہے درد دل میں ہمارے کوئی اثر نہیں ہے
فلک پہ طوفان بن رہے ہیں مگر کسی کو خبر نہیں ہے
گرے گی وہ برق انقلابی کہ ذرہ ذرہ چمک اٹھے گا
یہ آنکھیں اس درجہ خیرہ ہوں گی کہ گویا ان میں نظر نہیں ہے"

مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر (اطال اللہ بقاءہ)

محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ ۹ نومبر ۱۸۹۰ء میں کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ کے نامور شعراء میں آپ بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے ۱۹۲۳ء تک اردو میں شعر کہے اور اس کے بعد فارسی زبان میں۔ فارسی زبان کے کلام کا ایک مجموعہ "درد و درماں" کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس مجموعہ کے دیباچہ میں آپ لکھتے ہیں:۔

"ان نظموں کے متعلق چند باتیں قابل ذکر ہیں۔ جب خاکسار نے شعر کہنا شروع کیا تو میری عمر سترہ سال کے قریب تھی میرے والد صاحب کے ایک دوست کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے والد صاحب کو توجہ دلائی کہ شغل بیکار سے روکا جائے۔ میرے والد صاحب حضرت منشی ظفر احمد صاحب رضی اللہ عنہ سلسلہ احمدیہ کے اولین خدام میں سے تھے اور خود بہت اچھے سخن گو اور سخن شناس تھے۔ انہوں نے ازراہ چشم پوشی صرف اتنا فرمایا۔ "تم شعر کہا کرتے ہو ہم تو اسے ایک [illegible] کلام سمجھ کر ترک کر چکے ہیں۔ تمہیں اگر شوق ہے تو سلسلہ احمدیہ کی تائید میں بیشک کہہ لیا کرو۔" یہ الفاظ اب تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اس کے بعد جب کبھی شعر کہنے یا بعض اوقات مشاعروں میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا تو یہ نصیحت مجھے شمع راہ اور مشعل ہدایت کا کام دیتی رہی اور مروجہ طرز غزل سے مجتنب رہا۔"

کپورتھلہ میں منعقد ہونے والے مشاعروں کے متعلق آپ اپنے ایک مضمون (شائع شدہ ہفتہ وار "لاہور" لاہور) میں کہتے ہیں:۔

"مشاعروں میں ہندو، مسلمان، سکھ سب لوگ بلا امتیاز مذہب و ملت شامل اور محظوظ ہوتے تھے۔ یہ مشاعرے پوری رواداری اور باہمی محبت کے جلوہ گاہ تھے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب حفیظ جالندھری کی شاعری کا آغاز تھا اور سب سے پہلے انہوں نے شاہنامہ اسلام کے اقتباسات انہی مشاعروں میں سنائے تھے۔"

اپنی نظموں کے متعلق آپ خود لکھتے ہیں:۔

"خاکسار کی کوشش رہی ہے کہ نظم عنوان کے مطابق ہو اور اشعار میں ربط اور ترتیب قائم رہے اور مضمون

بڑھتا جائے۔ ظاہر ہے کہ نظم میں ان
پابندیوں سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل
کام ہے بالخصوص جب مثنوی کو چھوڑ
کر دیگر اصناف سخن میں قافیہ و ردیف
کی پابندی کے ساتھ آسان یا مشکل زمین
میں نظم لکھی جائے اور بعض نازک مراحل
سے گزرنا پڑے اور دینی لحاظ سے حفظ
آداب و مراتب کا فرض عائد حال ہوتا ہو"

خاکسار نے مولانا عبید اللہ صاحب بسمل کا پہلے ذکر کیا
ہے۔ فارسی میں بسمل صاحب مظہر صاحب کے استاد تھے چنانچہ
مظہر صاحب لکھتے ہیں:۔

"عاجز کو مخدوم و معظم حضرت مولانا
عبید اللہ صاحب بسمل سے فارسی شعر
میں شرف تلمذ حاصل ہے۔ ع

گرچہ خردیم نسبتے است بزرگ
ذرہ آفتاب تابانیم

آں مخدوم کا جو مرتبہ فن شعر میں ہے وہ
تعریف و توصیف سے مستغنی ہے۔
سنجر ملک الشعراء ایران آپ کی تصنیف
"حیات بسمل" کو دیکھ کر بے اختیار کہہ اٹھا
"واللہ من بہتر ازیں نتوانم گفت"

فارسی زبان میں آپکی تصانیف "مسدس
مدوجزر اسلام"، "مرآۃ الاسلام"، "حیات
بسمل"، "خاتم النبیین"، اور دیگر منظومات
شاہد ہیں کہ ہندوستان کے اندر چند شاعر
موجود ہیں جنہیں فارسی زبان اور شعر میں یہ
تبحر اور قدرت حاصل ہو۔ حق الیقین فی
معنی خاتم النبیین اور ارجح المطالب
(سوانح حیات حضرت علی رض) اردو نثر
میں آپ کی تصانیف ہیں۔"

اردو شعر میں مظہر صاحب کے استاد علامہ حامد خان
صاحب ناطق نجیب آبادی تھے اور وہ حالی کے شاگرد
تھے۔ نثر میں آپ کی ایک کتاب ہے جو ڈاکٹر ولگیری کی کتاب
"An interpolation of Quran"
کا ترجمہ ہے نہایت مقبول ہوئی ہے اس کے علاوہ مختلف
موضوعات پر آپ نے متعدد مضامین لکھے ہیں جو مختلف
اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ "Arabic
is source of Languages" آپ کی
ایک ضخیم تصنیف ہے جس میں آپ نے مختلف زبانوں کے
بیشمار الفاظ کے متعلق ثابت کیا ہے کہ یہ سب الفاظ عربی زبان
سے لئے گئے ہیں اور اس طرح یہ بات روز روشن کی طرح
ثابت ہو جاتی ہے کہ عربی تمام زبانوں کی ماں ہے۔ اس وقت
آپ ایک مسودہ لغت کی کتاب تیار کر رہے ہیں اس میں یہ
دکھایا جائے گا کہ انگریزی زبان دراصل عربی زبان ہی سے
بنی ہے۔ لغت کا نام "English traced to Arabic"
ہے۔

اردو اشعار کا مجموعہ ابھی تک شائع نہیں ہوا،
لیکن یہ اشعار بھی ایک دیوان کے قریب ہیں۔
..

سیرتِ رسولؐ کا ایک ورق

انسانِ کاملؐ

جناب مرزا محمد افضل شاہد قمر بی گوجرہ

تیرہ و تار فضا کے لئے اُجالا ، ظلمت و نور میں امتیاز کا موجب ہے۔ گلہائے رنگا رنگ اور رطب و یابس اشجار اپنے اندر عبرت کا سامان رکھتے ہیں۔ بہارِ جاودانی وابستگی شجر پر موقوف ہے۔

کارخانہ عالم ، متاعِ قلیل اور اپنی ذات میں لاشئی محض ہے۔ ہر چیز کی رعنائی و شگفتگی ، سرور و انبساط اور حسن و کمالِ ذاتِ باری کا پرتو ہے کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَانٍ کا نظارہ اہل فکر و نظر کے لئے ہر قدم جلوہ فگن ہے۔

قیامِ نظامِ عالم اپنے متنوع اثرات کے ساتھ اور نیرنگیٔ کائنات اپنے جمال و جلال کے ہمراہ اور ظہورِ ابن آدم اپنی ہمہ گیر صفات کے ساتھ ایک طلوعِ سراجِ منیر کے استقبال کے لئے نیست سے ہست میں آئے وہ پیکرِ نور جو فاران سے جلوہ گر ہوا اور چار دانگ عالم کو اپنی چند ضیا دینے والی کرنوں سے بقعۂ نور بنا گیا۔ وہ رحمۃ للعالمین سب کے لئے یکساں باعث صد فخر و انبساط تھا۔ وہ صبر و رضا کا پیکر اور آہنی عزائم کا مالک تھا۔ غزواتِ بدر و احد ، اور احزاب و حنین آپ کی شجاعت و بسالت کی ایک جھلک ہیں۔ فتحِ مکہ جس کی کامیابی اور عفو و درگزر کی ایک زندہ مثال ہے۔ وہ جو انسانی پیراہن میں پیکرِ نور تھا۔ جو قصرِ انبیاءؑ کی زیب و زینت اور گلستانِ مرسلینؑ کی شادابی و رونق کا باعث تھا۔ آپؐ اول و آخر کے سرتاج اور فخر ، مظہر جمال و جلال اور بہر جہت صفاتِ باری تعالیٰ کے مظہرِ اتم تھے گویا ؏

"لَاشَکَّ اَنَّ مُحَمَّدًا خَیْرُ الْوَرٰی"

اور "لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ" کا مصداق وہ مجسم قرآن ، انسانی فلاح و نجات کے لئے مغموم و رنجیدہ رہنے والا انسان لَعَلَّکَ بَاخِعٌ کی تصویر تھا۔ جس کی ذاتِ والا صفات کے بارے میں ارشاد ہے:۔

"اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ
عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔"

وہ پیکرِ رحمت ، شفیعِ جود و سخا ، شفیع المذنبین اور اسم بامسمّٰی تھے۔ زہد و عبادتِ الٰہی ، کثرتِ عبادت سے پاؤں مبارک متورم ، توکل ایسا کہ انسانیت

انگشت بدنداں ہے، صبر و رضا کا مظہر، تبتّل الی اللہ کا خوگر، جس کے عزم و استقلال کی عظیم داستان وادیٔ بطحا کے ذرّہ ذرّہ سے عیاں، آپؐ کی عظمت و اقبال سدرۃ المنتہیٰ تک مگر تواضع و انکساری کا یہ عالم چٹائی کے نشانات جسم مبارک پر نقش ہیں۔ آپ کو ضربِ کلیمی بھی عطا ہوئی اور احیاء موتیٰ کا اعجاز بھی ملا۔ آپ لحنِ داؤدی سے بھی نوازے گئے اور قوتِ سلیمانی بھی آپ کو ودیعت کی گئی۔ خوارق اور محیر العقول معجزات کا بھی صدور ہوا غرضیکہ ؎

"آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"

مواطنِ حرب میں منجھے ہوئے جرنیل، گھر میں بے نظیر شوہر، شفقت و رأفت ایسی کہ ؎

"کس نہ دیدہ در جہاں از مادرے"

منصف ایسے کہ عرب و عجم سے یکساں سلوک روا رکھا فرمایا:۔

"لو فاطمۃ بنت محمّد
سرقت لقطعت یدھا۔"

گوہر انسانی ایسی کہ ملائکہ بھی جھوم اٹھے۔ علم و معرفت کے بحرِ ذخار۔ امت ایسی ملی جسے ربّ العرش نے "رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ" کی سندِ خوشنودی سے نوازا۔ لاجرم آپ گفتار و کردار کے غازی، عظیم جرنیل، بے مثال شوہر، مایۂ ناز لیڈر، محبوب رہنما، دور رس نگاہ کے حامل، مجسم شفقت و رأفت، تواضع و عاجزی کا مکمل نمونہ اور ہر لحاظ سے کامل انسان تھے۔ اسی لئے ارشادِ باری ہوا:۔

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

اس کی آمد سے ذرّہ ذرّہ مسرور، بہار رقصاں، جن و انس خنداں، انسانیت شاداں و فرحاں، ثلّۃ من الاولین میں سے حضرت داؤد کے منظورِ نظر، پیارے اور جانی تھے۔ (غزل الغزلات) اور ثلّۃ من الآخرین میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے دل کی دھڑکن اور مطاع۔ ارشاد ملاحظہ ہو:۔

"میرا مذہب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الگ کیا جاتا اور کل نبی جو اس وقت تک گزر چکے تھے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہرگز نہ کر سکتے۔ ان میں وہ دل وہ قوت نہ تھی جو ہمارے نبیؐ کو ملی ...... نبی کریم صلعم کی فضیلت کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزو اعظم ہے اور میرے رگ و ریشہ میں ملی ہوئی بات ہے یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو نکال دوں۔" (ملفوظات جلد دوم ص ۱۷۴)

الغرض یہ وہ وجود باجود تھے جس کی خوبیاں ان گنت، دل جس کی تعریف و تحسین سے سیر نہیں ہوتا۔ روح جس کے ذکر سے تازہ اور معطر رہتی ہے۔ درود وردِ زبان ہے۔ صفات کے بیان سے قلم عاجز، تصور شکستہ، الفاظ ناپید اور علم محدود ہے:۔

یارب صلّ علیٰ نبیّک دائماً
فی ھٰذہ الدّنیا و بعثٍ ثانی"

افکار و مسائل

شور اور اس کے محرکات

جناب ظہیر احمد خان، مکینیکل انجینیئر

ترقی یافتہ ممالک میں شور یعنی غیر ضروری آواز بھی آج کے سائنسدان کے لئے ایک مسئلہ ہے۔ جہاں زمانے نے صنعت و حرفت کے میدان میں بے پناہ ترقی کی ہے وہاں مشینی شور بھی ایک مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ بیسویں صدی کے نصف تک صرف فضا کی آلودگی و تکدّر ہی ترقی یافتہ ممالک کے لئے دردِ سر تھا۔ مگر جوں جوں سائنسدانوں اور انجینئروں نے انسانی ماحول میں ریسرچ کی۔ انہیں شور کی تلخی اور اس کے مضر اثرات کا احساس ہوا۔ ابھی تک اس مصیبت سے رہائی کی کوئی صورت نہیں نکل سکی۔ اگرچہ تحقیق و جستجو کا سلسلہ جاری ہے۔

انسانی ماحول کی تین اقسام

انسان کو تین مختلف قسم کے ماحول سے پالا پڑتا ہے:۔

(۱) عمارات (۲) ٹریفک اور (۳) کارخانے

شور کی تلخی انسان پر مختلف طریق سے اثر انداز ہوتی ہے سب سے زیادہ اثر انسان کے کانوں پر ہوتا ہے جو اگر مستقل یا ایک خاص مدّت سے زیادہ دیر تک اس آواز کا تختۂ مشق بنیں تو قوت شنوائی کم ہو جاتی ہے۔ جسے کہ عام لوگ کان کا پردہ پھٹ جانا کہتے ہیں۔ شور کا دوسرا اثر انسانی دماغ پر پڑتا ہے جس سے اس کے کام کرنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔ یہ اثر زیادہ تر کارخانوں ملوں اور بڑی بڑی مشینوں میں کام کرنے والوں پر پڑتا ہے۔ شور و غل کا اثر دفتروں میں کام کرنے والوں کی توجہ پر بھی اثر انداز ہوتا ہے کیونکہ شور کے سبب مختلف مسائل پر ذہنی زور آزمائی بسا اوقات مشکل بلکہ محال ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دفتروں میں ٹیلیفون کی گفتگو میں بھی خلل واقع ہوتا ہے۔ گھروں کا چین چھن جاتا ہے اور ہسپتالوں میں تو یہ شور مریضوں کے لئے سوہانِ روح بن جاتا ہے۔

آواز دراصل لہروں کی صورت میں اپنے منبع سے نکلتی ہے اور کان کے پردہ پر دباؤ ڈالتی ہے جسے ہم آواز کا دباؤ (Sound Pressure) کہتے ہیں۔ اس دباؤ کے زیادہ یا کم ہونے سے ہی آواز کے

بلند یا دھیما ہونے کا احساس ہوتا ہے

آواز کی لہریں انسان کے کان کے پردہ سے ٹکراتی ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ حرکت کرتا ہے۔ اس پردہ کے ساتھ تین چھوٹی چھوٹی ہڈیاں جڑی ہوتی ہیں۔ ان میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ دوسری طرف یہ اندرونی کان سے ملتی ہوتی ہیں جس میں ایک خاص قسم کا مائع ہوتا ہے اس میں لہریں منتقل ہوتی ہیں جہاں Nerve کے Receptors یا endings ہوتے ہیں جو ان لہروں کو جذب کر کے اعصاب کے ذریعہ دماغ کو پیغام پہنچاتے ہیں اور اس طرح انسان آواز کا مفہوم سمجھتا ہے۔

اس دباؤ کو ناپنے کے لئے ایک آلہ بنایا گیا ہے یہ آلہ آواز کو اس کی اکائی ڈیسی بل (db) (Decibel) میں ناپتا ہے۔ کسی ماحول میں آواز کو ناپنے کے بعد یہ پتہ ہونا ضروری ہے کہ اس ماحول کی ضروریات کے مطابق زیادہ سے زیادہ کتنی آواز ہونی چاہیئے تاکہ ماحول اس کے برے اثرات سے محفوظ رہے۔ آواز کی یہ زیادہ سے زیادہ مقدار یا اونچائی معلوم کرنے کے لئے اب تک کافی تحقیق ہو چکی ہے اور مختلف ممالک نے اپنے اپنے حالات کے مطابق معیار مرتب کئے ہیں۔ پھر ناپی ہوئی آواز کا اس معیار سے موازنہ کیا جاتا ہے اور آواز کی کرختگی کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مثلاً کارخانہ کی بھٹی میں آواز کو اتنا کم تو نہیں کیا جا سکتا کہ وہاں کام کرنے والے آپس میں گفتگو کر سکیں لیکن اتنا ضرور کیا جا سکتا ہے کہ ان کے کانوں کو نقصان سے بچایا جائے۔ دوسری طرف کسی دفتر میں یا کسی تجارتی ماحول میں آواز کا معیار مختلف ہے یعنی شور اتنا مدھم ہو کہ لوگ آسانی سے گفتگو کر سکیں۔ ہسپتالوں اور رہائشی کمروں میں شور اس سے بھی کم ہونا چاہیئے۔ چنانچہ کسی ملک میں مختلف ماحول میں آواز کا معیار وہاں کی ضروریات کے مطابق متعین کیا جاتا ہے۔

ماحول کی ہر سہ اقسام یعنی عمارات، ٹریفک اور کارخانے پر تفصیل سے بحث کرنے سے پتہ چلے گا کہ کسی

خاص ماحول میں شور یعنی غیر ضروری آواز کے اسباب کیا ہوتے ہیں اور اس ناگوار حالت کو کیسے بدلا جا سکتا ہے۔ اس کارروائی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غیر ضروری شور اور غل غپاڑے کے بد اثرات سے ماحول کو بچایا جائے تاکہ انسان کی زندگی زیادہ خوش گوار ہو سکے۔

عمارات میں شور

پہلی قسم کی عمارات میں دفاتر اور تجارتی مراکز شامل ہیں۔ ان میں شور یا آواز کا منبع عام طور پر کام کرنے والے، باہر سے آئے ہوئے گاہک، وہاں لگے ہوئے ائیر کنڈیشنرز اور پنکھے یا کسی قریبی سڑک پر چلتا ہوا ٹریفک ہوتا ہے۔ ان دفاتر کے لئے بعض ممالک مثلاً امریکہ، برطانیہ اور فرانس کا مقرر کردہ معیار 55 dB ہے جبکہ تحقیق کے دوران لاہور میں یہ معیار 55 اور 65 کے درمیان تھا۔ اس شور کے زیادہ ہونے کی وجہ غیر سائنسی طور پر تعمیر کردہ عمارات ہی ہیں جو آواز کو جذب کرنے کی بجائے اس کو منعکس کر دیتی ہیں۔

دوسری قسم کی عمارات میں ہسپتال، لائبریری آڈیٹوریم اور رہائشی کمرے ہیں جن کا معیار 30 dB ہے۔ لاہور میں اس ماحول کا معیار قابل ذکر ہے جو کہ 32 dB تھا۔

تیسری قسم کی عمارات دکانیں، بڑے بڑے سٹور اور ریستوران ہیں جن کا مقرر کردہ معیار 45 dB ہے۔ لاہور کے ریستوران اور دکانوں میں شور 50 dB ہے جو نسبتاً زیادہ ہے۔ اس کی وجہ کم جگہ اور زیادہ گاہک ہیں۔ بعض نئے تعمیر شدہ دکانوں اور ریستورانوں میں شور معیار سے بھی کم تھا۔ لاہور کے گلی کوچوں میں خاص طور پر ایک نئی قسم کے شور سے پالا پڑا ہے جس سے مغربی ممالک نسبتاً محروم ہیں۔ وہ شور عورتوں کی لڑائی کا ہے۔ لاہور کے ایک علاقے سے گزرنے کا اتفاق ہوا تو دو عورتوں کو آپس میں لڑتے دیکھا جو ایک دوسری کی گالیوں سے تواضع کر رہی تھیں۔ لیکن میرے خیال میں دونوں میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ دوسری کیا کہہ رہی ہے۔

ٹریفک کا شور

دوسری قسم کا شور ٹریفک کا ہے جو سائنسدانوں کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ٹریفک کا شور ہی زیادہ تر انسان کے کانوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور سوہان روح بن جاتا ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ ٹریفک کا شور دن بدن بڑھ رہا ہے اس کی وجہ لاریوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، رکشا اور موٹر سائیکلوں کا شور قابل ذکر ہے۔ اور آج کل تو بعض نوجوان شوقیہ طور پر موٹر سائیکلوں کے سائلنسر (Silencer) نکال دیتے ہیں جس سے شور میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

مغربی ممالک نے اس شور کے انسداد کے لئے مختلف قسم کی پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ ان ممالک میں کاروں اور ٹرکوں کا شور 80 dB کے لگ بھگ ہے جبکہ موٹر سائیکلوں کا شور 85 dB ہے۔

لاہور میں رکشا اور موٹر سائیکلوں کا شور قدرے زیادہ ہے۔ یعنی 88 dB کے لگ بھگ ہے۔ جبکہ کاروں کا شور نسبتاً کم ہے 70 dB سے 75 تک

ٹریفک کا شور سڑکوں کی حالت پر بھی منحصر ہے اگر سڑکیں خراب ہیں تو یہ شور بھی زیادہ ہو گا۔ اس کے برعکس اگر سڑکوں کی حالت اچھی ہے تو شور نسبتاً کم ہو گا۔

ٹریفک کا شور آسانی سے کم کیا جا سکتا ہے مثلاً اگر ڈرائیور ہارن کم بجائے تو اس میں کافی کمی ہو سکتی ہے اسی طرح آہستہ چلانے سے بھی شور میں کمی دیکھی گئی ہے۔

کارخانوں کا شور

تیسری قسم کا شور کارخانوں کا شور ہے۔

کارخانوں کا شور خاص طور پر کارخانوں میں کام کرنے والوں پر اور قریبی بستیوں کے رہنے والوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ انسانی کانوں کو سب سے زیادہ نقصان کارخانوں کے شور سے ہوتا ہے جس سے قوت شنوائی اثر انداز ہوتی ہے۔ کارخانوں کے شور سے عموماً عارضی طور پر قوت شنوائی اثر انداز ہوتی ہے لیکن زیادہ سخت قسم کے شور سے بعض اوقات انسانی کان مستقل طور پر بھی بہرہ ہو سکتے ہیں۔

انگلستان میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ انسانی کان ۸ گھنٹے میں 90 dB تک شور سن سکتے ہیں یعنی 90 dB Threshold آٹھ گھنٹے لگاتار شور سننے کا ہے۔

اگر انسانی کان کو اس سے زیادہ شور سننا پڑے تو اس سے مستقل طور پر بہرہ ہونے کا اندیشہ ہے

لاہور میں تحقیق کے دوران مختلف کارخانوں میں شور نسبتاً زیادہ تھا اور اگر اس شور کو کم نہ کیا گیا یا کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے کام کرنے کی شدت میں کمی نہ کی گئی تو چند سالوں میں ان مزدوروں کے نہ صرف کان بری طرح متاثر ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ان کی ذہنی اور جسمانی قوتیں بھی سلب ہو سکتی ہیں۔

نیند ہماری اہم ضرورت

مرسلہ: نثار احمد ناز سمرا، دریا خان مری (سندھ)

زندگی تیزی سے رواں دواں ہے۔ انسان دن رات کام کاج میں مصروف ہے۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے تھکاوٹ کا احساس لازمی امر ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کام کی زیادتی کے باعث جونہی زیادہ اور تھکاوٹ کا احساس ہوتا ہے یہ مزید کام کرنے کے لئے مہمیز کا کام دیتا ہے اور دوسروں سے سبقت لے جانے پر اکساتا ہے۔ کیا ان کا یہ نظریہ درست ہے؟ کیا اس دنیا میں آرام کی کوئی اہمیت نہیں؟ آیئے تاریخ کے ورق الٹیں۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد برطانیہ میں زبردست قحط پڑا۔ لوگ فاقوں مرنے لگے۔ اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ پیداوار بڑھانے کے لئے فیصلہ کیا گیا کہ ہفتے میں ۷۰ گھنٹے کام کیا جائے۔ اس قدر محنت و مشقت کے باوجود پیداوار میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔ وجہ ظاہر تھی کہ کام کی زیادتی کی وجہ سے تھکا ماندہ انسان پوری تندہی سے کام نہیں کر سکتا تھا۔ جب کام کرنے کے اوقات پانچ گھنٹے کم کر دیئے گئے تو پیداوار دوگنی ہو گئی۔ پس کام کرنے کے لئے آرام درکار ہے۔

تھکاوٹ کے باعث انسان میں مختلف بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت کم ہو جاتی ہے اور وہ بیماریوں کا آسانی سے شکار ہو جاتا ہے۔ دراصل کام کاج کے دوران انسانی مشینری مختلف قسم کے مادے پیدا کرتی رہتی ہے جو عام حالات میں خودبخود تحلیل ہوتے رہتے ہیں۔ جب معمول سے زیادہ کام کیا جائے تو یہ مادے جن میں ایک تیزابی مادہ خاص اہمیت کا حامل ہے انسانی عضلات میں جمع ہو جاتا ہے جس سے تھکاوٹ کا احساس ہوتا ہے۔ دوبارہ کام کاج کے قابل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان مادوں کو ٹھکانے لگایا جائے۔ صرف آرام ہی وہ ذریعہ ہے جو یہ کام سرانجام دے سکتا ہے اور چونکہ نیند آرام کی ایک بہترین صورت ہے اس لئے اس کی افادیت ظاہر ہے۔

اکثر لوگوں کو تھکاوٹ، مایوسی، عضلات میں تناؤ اور کھچاوٹ کی شکایت رہتی ہے چونکہ ان کے جسم کے باقی تمام اعضاء مثلاً دل، معدہ، جگر اور

پھیپھڑے معمول کے مطابق کام کر رہے ہوتے ہیں اس لئے ڈاکٹر صاحبان ان کو حیاتین (Vitamin) یا طاقت کی گولیاں دے دیتے ہیں۔ لیکن ان سے فائدہ نہیں ہوتا۔ ان میں اکثریت ایسے مریضوں کی ہوتی ہے جن کو یہ تکالیف کم خوابی کی وجہ سے ہوتی ہیں یہ شکایات مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ دیکھنے میں آتی ہیں۔ وہ معمولی سی آواز مثلاً بچے کے رونے یا برتن کے گرنے سے فوراً بیدار ہو جاتی ہیں اور گھنٹوں کروٹیں بدلنے کے بعد نیند کی آغوش میں جاتی ہیں جبکہ مرد اول تو ان آوازوں سے بیدار ہی نہیں ہوتے اور اگر ہو بھی جائیں تو فوراً دوبارہ خراٹے لینے لگتے ہیں۔ نیز عورتوں کو گھر کا کام کاج، بچوں کی نگہداشت اور اس قسم کی دیگر مصروفیات اتنی ہوتی ہیں کہ ان کو سونے کے لئے وقت کم ملتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ ان تکالیف کی شکایت کرنے لگتی ہیں۔ ایسے مریضوں کو ڈاکٹر کے علاج سے تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا لیکن اپنے سونے کے اوقات میں اضافہ کرنے سے ان کی یہ تمام تکالیف دور ہو جاتی ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو کم از کم آٹھ یا نو گھنٹے سونا چاہیئے۔

مختلف لوگوں کے لئے سونے کا وقت مختلف ہے۔ سونے کے وقت اور نیند کی گہرائی میں گہرا تعلق ہے تھوڑے عرصہ کی گہری نیند طویل عرصے کی نیند سے کہیں بہتر ہے جس میں انسان بار بار بیدار ہو۔ انسان اس دنیا میں خوابیدہ حالت میں وارد ہوتا ہے اور اپنی زندگی کا تقریباً ایک تہائی حصہ سونے ہی میں گزار دیتا ہے۔

جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ بوڑھوں اور جوانوں کے لئے نیند کا یکساں وقت درکار ہے۔ انہیں چوبیس گھنٹوں میں کم از کم سات گھنٹے سونا چاہیئے جبکہ بچے تقریباً بیس یا بائیس گھنٹے سونے میں گزار دیتے ہیں۔ اور دوپہر کے وقت ایک یا دو گھنٹے سو لینا صحت کے لئے انتہائی مفید ہے اگر یہ عادت نہ ہو تو چند دن کی کوششوں سے انسان اس کا عادی بن سکتا ہے۔ شروع شروع میں بعض لوگوں کو اس سے کاہلی اور سستی کا سا احساس ہوتا ہے اور بعض اوقات رات کی نیند میں بھی کمی آ سکتی ہے لیکن جب روزانہ کا معمول بن جائے تو دوپہر کے ایک یا دو گھنٹے کی نیند رات کی نیند کو مزید خوشگوار اور پُر سکون بنا دیتی ہے۔

نیند کی گہرائی اور وقت دن کے کام کاج کی نوعیت پر منحصر ہے۔ اگر انسان دن کے دوران سخت قسم کی مشقت سے کام لے گا تو اس کی نیند کم گہری ہوگی اور شدید تھکاوٹ بے خوابی کا باعث ہوگی۔ اگر دن سکون سے گزرتا ہے تو نیند بھی پُر سکون، گہری اور طویل ہوگی۔ کسی سے جھگڑ کر یا غصے کی حالت میں یا جذبات کی رو میں بہہ کر سونے کی کوشش کرنا حماقت ہے سوتے وقت سوچنے سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیئے۔ جتنی سوچ گہری ہوگی۔ نیند بھی اتنی ہی دور بھاگے گی۔ پر سکون نیند کے لئے پر سکون دماغ ضروری ہے۔

یہ نیند آخر ہے کیا؟ یہ ایک طبعی عمل ہے یہ کیوں آتی ہے۔ حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بعض

سائنسدانوں کا خیال ہے کہ جب دماغ کو باہر سے تحریکات کی رسد ملنا بند ہو جاتی ہے تو دماغ بھی عضلات میں تحریک پیدا کرنا بند کر دیتا ہے اور عضلات ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور انسان عالم خواب میں داخل ہونے لگتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب دماغ میں خون کی بہم رسانی کم ہو جاتی ہے تو غنودگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھانا کھانے کے کچھ عرصہ بعد نیند کا احساس ہونے لگتا ہے چونکہ اس وقت خون زیادہ سے زیادہ مقدار میں ہضم شدہ خوراک کو جذب کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے اسی لئے دماغ کو خون کم پہنچتا ہے۔ سب سے پہلے انسانی جسم کے بڑے عضلات اور بعد میں چھوٹے عضلات ڈھیلے پڑنے لگتے ہیں۔ اسی طرح شعوری حرکات و سکنات کی قوت کم ہونے لگتی ہے۔ پھر قوت باصرہ اور سب سے آخر میں قوت سامعہ۔ نیند کا پہلا ایک گھنٹہ انتہائی گہرا ہوتا ہے۔ اس کے بعد نیند کی گہرائی کم ہونے لگتی ہے۔ صبح چار بجے کے بعد دوبارہ نیند کی گہرائی کا دور شروع ہوتا ہے۔

انسانی دماغ انتہائی نازک واقع ہوا ہے اور انسانی جسم کا یہی وہ حصہ ہے جو نیند سے سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ نیند دماغ کے مختلف حصوں میں "توازن" قائم رکھتی ہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح طویل استعمال کے بعد الیکٹرانک کمپیوٹر اپنی جگہ سے ہل جاتا ہے اور اسے دوبارہ استعمال کے قابل بنانے کے لئے اسے پہلی حالت پر لانا ضروری ہے بالکل اسی طرح دماغ کو دوبارہ کام کاج کے قابل بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو پہلی حالت پر لایا جائے اور یہ کام نیند سرانجام دیتی ہے۔ کم خوابی، بے خوابی یا بدخوابی سے دماغی نظام میں بے ترتیبی سی واقع ہو جاتی ہے اور یہ تکالیف انسان کو ضدی اور چڑچڑا بنا دیتی ہیں۔ چونکہ دماغ اور معدے کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اس لئے بے خوابی سے بدہضمی کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں نیند کے دوران دل کے کام کی شدت میں کمی آجاتی ہے۔ خون کا دباؤ کم ہو جاتا ہے نبض کی رفتار مدھم پڑ جاتی ہے۔ نظام ہضم تیزی سے کام شروع کر دیتا ہے۔ معدے کی رطوبتوں کی پیدائش میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوتا لیکن اس کی حرکات تیز ہو جاتی ہیں۔

بے خوابی یا کم خوابی دور کرنے کے لئے خواب آور گولیوں کا استعمال انتہائی مضر ہے۔ انسان ان کے استعمال سے چند گھنٹے دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑا رہتا ہے لیکن بعد کے اثرات قطعی اطمینان بخش نہیں چونکہ ان کا اثر بیداری کے بعد بھی جاری رہتا ہے اس لئے دل کی دھڑکن متاثر ہوتی ہے۔ کافی عرصہ تک چکر سے آتے رہتے ہیں اور جب تک دوا کا اثر پوری طرح زائل نہیں ہو جاتا انسان کو آرام نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کے استعمال سے حتی الوسع پرہیز کرنا چاہیئے اور ان کے استعمال کے بغیر سونے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

پروگرام مطالعہ

کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(برائے خدام الاحمدیہ سال رواں ۱۳۴۷ ہش / ۱۹۶۸ء)

ماہ فروری / تبلیغ ——— انفاسِ قدسیہ

" مارچ / امان ——— فتحِ اسلام

" اپریل / شہادت ——— ضرورت الامام

" مئی / ہجرت ——— توضیحِ مرام

" جون / احسان ——— الوصیت

" جولائی / وفا ——— لیکچر لاہور

" اگست / ظہور ——— اسلامی اصول کی فلاسفی

" ستمبر / تبوک ——— آسمانی فیصلہ

" اکتوبر / اخاء ——— نشانِ آسمانی

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس بابرکت پروگرام میں خدام کو باقاعدگی سے شامل کریں۔ جزاکم اللہ!

مہتمم تعلیم

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ

ایوانِ محمود میں کھیلوں کا انتظام

شعبہ صحت جسمانی مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر انتظام ایوانِ محمود میں بیڈمنٹن، ٹیبل ٹینس، اور کیرم بورڈ کی کھیلوں کا انتظام ہے۔ یہ انتظام خدام کے اندر کھیل اور ورزش کے شوق کو اجاگر کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ زیادہ سے زیادہ خدام اس موقع سے استفادہ کریں گے اور روزانہ تشریف لاکر اپنے کھیل کے معیار کو بلند کریں گے۔ عنقریب بیڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس کے آل ربوہ ٹورنامنٹس بھی منعقد کروائے جائیں گے۔

مہتمم صحت جسمانی

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ

سفرنامہ

جناب حسن محمد خان عارف صاحب

ہمارے ہاں ہوائی جہاز کا سفر ضرورت سے زیادہ اونچی قسم کا سفر سمجھا جاتا ہے۔ عام طور پر اگر کوئی ہوائی جہاز کا سفر کر کے آئے تو وہ پھولے نہیں سماتا۔ نامعلوم مجھے اس سفر سے کبھی دلچسپی پیدا نہ ہوئی لیکن پچھلے حیات میں "قہر درویش بر جانِ درویش" یہ سفر اختیار کرنا پڑا اور یہ بڑی بھلی داستان اسی سفر کی ہے۔

اللہ رکھے! ہمارے دو بیٹے کینیڈا میں رہا کرتے ہیں۔ ان کے دل میں ابا کی محبت نے جوش مارا تو انہوں نے ہوائی جہاز کا ایک ٹکٹ کراچی سے کراچی تک براستہ ٹورنٹو ہمیں بھجوا دیا۔ ہم نے ربوہ سے ٹورنٹو کے لئے رختِ سفر باندھا۔ ربوہ سے لائلپور پہنچے اور لائلپور سے لاہور، لاہور سے کراچی اور وہاں سے نیویارک پہنچ گئے۔

پی آئی اے کی سروس آخر ہماری قومی ہوائی سروس ہے۔ دنیا کی بہترین ہوائی سروسوں میں شمار ہوتی ہے۔ جمبو جیٹ اور ڈی سی ٹن قسم کے ہوائی جہاز تک اس کی ملکیت ہیں۔ امریکہ تک اس کی پروازیں جاتی ہیں۔ الغرض قومی جذبہ سے سرشار ہو کر پی آئی اے کا ٹکٹ خریدا تاکہ ہماری اپنی کمپنی کو فائدہ ہو۔ جب ہم لائلپور سے لاہور کے لئے جہاز میں سوار ہوئے تو راستے میں کھڑکی سے نیچے دیکھنے کی کوشش کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دور دور تک سبز اور بھورے مٹیالے تختے کاٹ کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ یہ دراصل سبز کھیت تھے۔ شہر یا گاؤں بالکل بے معلوم سے نظر آتے تھے۔ لاہور سے کراچی تک کا سفر بھی اسی طرح گزرا۔ ہمیں ان ہی دو سفروں میں پتہ چل گیا کہ سب سے بدمزہ سفر ہوائی جہاز کا ہے۔ بس یونہی ہوائی جہاز میں داخل ہوئے، باہر کی دنیا سے منقطع ہو گئے۔ جہاز کے مسافر ہی ساری دنیا ہیں۔ ریل کا سفر ہو تو کیا مزہ آتا ہے! درخت بھاگتے چلے جا رہے ہیں۔ کبھی دریا یا نالہ آ گیا یا کہیں کوئی نہر آ گئی تو کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ریل کی پٹڑی کے کنارے کنارے ہرے بھرے لہلہاتے کھیت کیا بہار دیتے ہیں۔ سردی میں ٹھنڈی ہوا اور گرمی میں لو اور جھلسا دینے والی ہوائیں کسی قدر تنگ کرتی ہیں لیکن آخر کار کچھ دلچسپی تو ہوتی ہے اور نہیں تو سائیکل کا سفر ہی لے لو۔ ربوہ سے چنیوٹ تک بائیسکل پر جانا ہو تو کتنے ہنگامے پیش آتے ہیں۔ کبھی

سے ٹرک یا بس آ گئی اور ہمارا اسٹینگل سرک رہے نیچے، اور
جب گزر گئی تو منزل کے پا دل، تانگے کا سفر تو اور بھی پر لطف
ہوتا ہے۔ لوہاری سے دلی دروازہ تک جانا ہو تو سو
مرحلے طے کرنے ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل میں کہاں تک
جائیں۔ ہم میں سے اکثر یہ مزے لوٹتے رہتے ہیں۔ لیکن
ہوائی جہاز میں اس قسم کا کوئی مزہ نہیں۔ نہ تو نہ سردی
نہ ہی نہ خاک، نہ درخت، نہ گھاس، بس جب تک
جہاز میں بیٹھے رہو مسافروں کا منہ تکتے رہو۔ سفر ختم
ہو جائے تو جہاز سے نکلو اور گھر آ جاؤ۔ کیسا بے مزہ سفر
ہے۔ پھیکا کہیں کا!

ہاں تو ——— ہم کہہ رہے تھے کہ پی-آئی-اے
ہماری قومی ہوائی سروس ہے اور ہم لاہور سے سوار ہو کر
کراچی آن اترے۔ رات ایک ہوٹل میں ٹھہرے۔ صبح چار
بجے ہوائی جہاز نے چلنا تھا ہم تین بجے ہوائی اڈے پر
ٹیکسی میں بیٹھ خوشی خوشی جا پہنچے۔ وہاں قطار میں
مسافر کھڑے اپنے ٹکٹ چیک کروا رہے تھے۔ ہماری
باری آئی تو پی آئی اے کے بابو صاحب نے ہمیں عجیب
نظروں سے دیکھا ہم سہم ہی تو گئے۔ بابو جی کہنے لگے کہ
"جناب آپ اپنی ذمہ داری پر نیویارک جا رہے ہیں؟" ہم
بولے۔ "جی ہاں! اپنی ہی ذمہ داری پہ جا رہا ہوں!"
لیکن دل میں گھبرا رہا تھا کہ ان کا مطلب کچھ اور ہے آخر
وہ بول ہی پڑے کہ "جناب نیویارک سے ٹورنٹو تک ہوائی
جہازوں کی ہڑتال ہے اور نیویارک سے آگے آپ کا اپنا
انتظام ہوگا۔"

میں نے کہا۔ جناب میں اپنے گھر سے [illegible]

دور ہوں۔ یہ بات تو آپ کو مجھے ربوہ میں بتانی چاہیے تھی
جہاں سے مجھے ٹکٹ دیا گیا ہے۔"

بابو جی آخر پی آئی اے کے ملازم تھے۔ کہنے لگے۔
"جناب جانا ہے تو جائیے ورنہ اگلے شخص کی باری ہے
اسے آگے آنے دیجیے!"

ہم کیا کر سکتے تھے مجبوراً ہم نے ٹکٹ وصول کیا
اور "اپنی ذمہ داری پر" چل پڑے اور ابھی ہمیں اپنی ذمہ داری
پر نیویارک روانہ ہونا تھا۔ ٹکٹ لے کر ہم امیگریشن
والوں کے پاس پہنچے۔ ایک ہجوم تھا۔ نفسا نفسی تھی۔
انہوں نے ہمیں دو فارم پُر کرنے کے لئے دیئے۔ ہم نے وہ
فارم بھر لئے تو ایک خاتون پاس سے کہنے لگیں کہ ان کا
فارم بھی بھر دو۔ ان کا فارم بھی بھرا۔ جن کا حلیہ
مکرر سے بیں لوگوں کا ہجوم، ہر شخص پسینے پسینے،

میں نے اپنی باری آنے پر فارم پیش کر دیا۔
میرا فارم لیتے ہی اس نے مجھے کہا کہ "جناب ذرا قلم دیں
میرے قلم کی سیاہی ختم ہو گئی ہے۔" میں نے قلم دے دیا۔
پیچھے سے دھکے پہ دھکا پڑ رہا تھا۔ افسر صاحب نے فارم
لے کر میرے پاسپورٹ پر مہر لگا دی۔ دستخط کیے اور پاسپورٹ
میرے حوالے کر دیا۔ لیکن میرا قلم واپس نہ کیا۔ بدحواسی
کا یہ عالم تھا کہ پاسپورٹ کا مل جانا غنیمت سمجھا اور
چل دیئے۔ اور جہاز میں آ بیٹھے۔ وہاں یاد آیا کہ قلم تو
امیگریشن والوں کی نذر ہو گیا۔ افسوس تو ہوا لیکن یہ کہہ
کر دل کو تسلی دی کہ "اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں
چگ گئیں کھیت۔"

خیر، جہاز اپنے وقت پر چل پڑا۔ تھوڑی دیر

کے بعد جب صبح ہو گئی تو ہم بحر ہند کے پانیوں پر سے پرواز کر رہے تھے۔ جہاز سمندر سے پانچ میل اوپر محو پرواز تھا۔ اس لئے اتنی دور سے پانی تو کیا خاک نظر آتا۔ بس اندازہ ہی تھا کہ ہم سمندر پر سے گزر رہے ہیں۔ جو مسافر کھڑکیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ کبھی کبھی وہ باہر کا نظارہ کر لیتے۔ ہم تو جہاز کے مسافروں کا ہی نظارہ کرنے میں محو تھے اور یوں انتہائی بدمزگی کا شکار تھے

سورج نکلا نہیں تھا کہ ہم دوبئی پہنچ گئے۔ جہاز ٹھہرا تو ہمیں اترنے کی اجازت مل گئی۔ اتر کر ہم ایئرپورٹ کی سیر کرنے چلے گئے۔ تو دیکھا کہ بے شمار پاکستانی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ان میں بہت سے پنجابی تھے اور ہماری زبان بول رہے تھے۔ البتہ عرب بھی تھے۔ انہیں عربی میں باتیں کرتے سنا تو اپنی مقدس مذہبی زبان سن کر بہت خوشی ہوئی۔ یہ فری پورٹ تھی۔ بہت کچھ بک رہا تھا لیکن ہم نے کچھ نہ لیا۔ صرف تیس ڈالر لے دے کر ہماری جیب میں تھے .... جو ہم نے نیویارک سے ٹورنٹو تک کے لمبے سفر کے لئے سنبھالے ہوئے تھے۔ گویا ہم پیسے کو یا ڈالر کو دانت سے پکڑے ہوئے تھے۔

گھنٹہ بھر کے بعد ہم جہاز میں آ گئے اور جہاز چل پڑا۔ اگلا پڑاؤ قاہرہ تھا۔ یہاں بھی جہاز سے باہر نکلنے کی اجازت تو تھی لیکن ایئرپورٹ کے اندر جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ یہاں پاکستانی نظر نہیں آتے تھے۔ صرف مصری لوگ ہی "ہرا قانہ" "لو عملن" بولتے سنائی دے رہے تھے۔ ہاں! قاہرہ اترنے سے قبل جب جہاز میں یہ اعلان ہوا کہ ہم سعودی عرب پر سے پرواز کر رہے ہیں تو بڑا عجیب احساس تھا۔ مجھ ایسا بے مایہ انسان، بے علم و بے ہنر اور دنیا کی دولت سے بھی محروم، یہ غریب و بے کس اس شاہ دو جہاں کے وطن کے اوپر سے گزر رہا ہے جس کے قدموں کی خاک پر ہر مسلمان اپنی جان نچھاور کرنا فخر سمجھتا ہے۔ دعاؤں میں وقت گزارا۔ آنکھیں بھیگی رہیں۔ شاید کہ نشانِ کریمی انہیں موتی سمجھ کر چن لے۔

اور ہمارا بیڑا پار ہو جائے۔ قاہرہ کا پڑاؤ سوا گھنٹہ کا تھا۔ جب چلے تو دن خاصا نکل چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم بحیرۂ روم پر سے اڑ کر گوری قوم کے براعظم میں داخل ہو گئے۔ اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کے پہاڑوں اور میدانوں پر سے اڑتے ہوئے قریباً چار گھنٹے کے بعد جرمن قوم کی مشہور ایئرپورٹ فرانکفورٹ پر اترے۔ جرمن قوم بھی کیا عظیم قوم ہے۔ گزشتہ ساٹھ سال میں دو مرتبہ دنیا کی بڑی سے بڑی قوم کے ساتھ خوفناک ٹکر لی۔ قسمت نے یاوری نہ کی اور دونوں بار شکست کھائی۔ لیکن آج سے تیس برس قبل جرمنی تہس نہس ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے شہر اور قصبے جنگ کی بھٹی میں جھلس کر تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ لیکن یہ باہمت قوم ایک بار پھر تعمیرِ نو میں مصروف ہو گئی اور آج یورپ کی عظیم قوتوں میں شمار ہوتی ہے۔ صنعت، تجارت، محنت، علم و فضل، کھیلوں، حکومت، سائنس، فنون غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں دنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہیں۔ ہمارا جہاز جب ایئرپورٹ پر اترا۔ تو ہم جہاز کے دروازے سے نکلے اور چند قدم ایک برآمدے

ہی ہے ہم کمرہ ایئرپورٹ میں داخل ہو گئے۔ ایئرپورٹ کیا تھی۔ ایک نگار خانہ تھا۔ ترشی چاکلیٹ رنگ کے پلاسٹک کی ٹائلوں کا تھا۔ دروازے شیشے کے۔ جگہ جگہ خوب صورت کاؤنٹر بنے ہوئے۔ ان پر خوبصورت لڑکیاں اپنی ڈیوٹیاں ادا کر رہی تھیں۔ چند قدم چل کر ایک جگہ پہنچے، دیکھا کہ زمین ہی چل رہی ہے۔ لوگ اس پر کھڑے ہیں۔ میں بھی اس پہ کھڑا ہو گیا اور ہم کھڑے کھڑے دور تک پہنچ گئے۔ اقوام مغرب کی عقل کی داد کیسے نہ دی جائے۔ پھر ایک بازار آ گیا۔ ایک طرف ایک ریسٹورنٹ، دوسری طرف مختلف دکانیں۔ کیمرے، سنگھار کا سامان، نوادرات، ہر قسم کی شراب، سگرٹ، گھڑیاں، کھانے پینے کی اشیاء، چمڑے کا سامان، قیمتی قلم، غرض بے شمار قسم کا سامان تھا۔ دوکانوں پر تمام

طور پر لڑکیاں ہی کام کر رہی تھیں۔ میں نے خریدا تو کچھ نہیں تھا۔ البتہ پورا ایک گھنٹہ سیر کی اور بہت لطف اٹھایا۔ واپس لوٹے تو جہاز میں داخل ہونے سے پہلے روک لئے گئے۔ تلاشی ہوئی۔ ایک ایسے دروازے سے گزارا گیا جو ہر مشتبہ چیز بتا دیتا تھا جو کسی کے پاس مشکوک قسم کی ہوتی تھی۔ ہم کوئی بلائی چیکر تو تھے نہیں اس لئے خیر و عافیت سے جہاز میں آ گئے۔ ابھی جہاز کے روانہ ہونے میں نصف گھنٹہ باقی تھا۔ کھڑکی سے دیکھا۔ ہر دو تین منٹ کے بعد لفتھانزا جرمن ہوائی کمپنی کا ایک جہاز ایئرپورٹ سے اڑ جاتا تھا۔ کس قدر امیر قوم ہے کہ ہر دو منٹ کے بعد ایک جہاز اڑا رہی ہے۔ اس قوم کی عظمت اور ہمت پر سوچ ہی رہا تھا کہ جہاز چل پڑا اور قریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم برن میں پہنچ گئے۔ (باقی)

○

تحقیقی مقالہ

انجیل کے متن پر ایک نظر

ماسٹر برکت اے خان کے آٹھ پمفلٹ اور ان کا اصولی جواب

جناب شیخ عبدالقادر محقق رستم پارک لاہور

ماسٹر برکت اے خان رکن اشاعتی کمیٹی سیالکوٹ نے ہمیں دوبارہ بڑے خلوص سے کچھ پمفلٹ بھیجے ہیں۔ اس سے پہلے "الفرقان" میں ان کے دو ایک ٹریکٹوں پر ہم تبصرہ کر چکے ہیں۔ اس دفعہ مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ کتاب مقدس کی جن آیات کو ماسٹر صاحب نے استدلال کی بنیاد بنایا ہے ان کا صحیح اور درست متن مشتبہ اور مشکوک ہے۔ بعض جگہ مسلّمہ طور پر الحاقی ہے۔ متن پر پرانے نسخوں کے پیش نظر ایک طائرانہ نظر ڈالنا ضروری ہے یہ مطالعہ دلچسپ ہے بعض مثالیں پیش ہیں:—

(۱)

"خدا روح ہے" —— اس پمفلٹ کے آخر میں ماسٹر برکت اے خان لکھتے ہیں:—

"کلام الٰہی میں لکھا ہے کہ مسیح کلمۂ خدا ہے اور کلمۂ خدا کے وسیلہ سے ہی سب چیزیں پیدا ہوئیں۔ انجیل یوحنا میں ہے "ابتدا میں کلمہ تھا۔ کلمہ خدا کے ساتھ تھا اور کلمہ خدا تھا۔" (یوحنا ۱/۱)

انجیل یوحنا کا یہ ترجمہ کیا درست ہے؟ آج ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یونانی متن کے پیش نظر یہ ترجمہ درست نہیں ہے۔

۱۹۶۱ء میں انگلستان کی کلیساؤں اور بائیبل سوسائٹیوں نے نئے عہد نامے کا ایک متفقہ ترجمہ "دی نیو انگلش بائیبل" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں انجیل یوحنا کی پہلی آیت کا ترجمہ بایں الفاظ ہے:—

"When all things began, the word already was. The word dwelt with God, and what God was, the word was."

جب تمام چیزوں کا آغاز ہوا تو کلمہ پیشتر ازیں موجود تھا۔ وہ خدا میں لبسا ہوا تھا۔ یس جو خدا تھا وہی کلمہ تھا (یعنی مقصد ایک تھا۔)

انجیل یوحنا کے اس ابتدائیہ میں دراصل کُنْ فَیَکُوْن کا فلسفہ پیش کیا گیا ہے "کلمہ خدا تھا" ترجمہ بہرحال غلط ہے اگر ترجمہ ہی درست نہیں تو استدلال کیا ہوا؟

جیمس مفاٹ بہت بڑے عالم اور مترجم بائبل ہیں انھوں نے ترجمہ بایں الفاظ کیا ہے:۔

"The Logos existed in the very beginning, the Logos was with God, the Logos was divine."

ابتدا میں لوگاس یعنی کلمۂ کُن تھا۔ یہ کلمہ خدا کے ساتھ تھا۔ ہاں یہ خدائی کلمہ تھا۔

"لوگاس" یونانی فلسفے کی اصطلاح ہے سکندریہ کے یہودی فلاسفر فائلو نے اسے کلمۂ کُن کے معنوں میں پیش کیا ہے۔ یہ مسلّم ہے کہ فائلو کے محاورۂ زبان میں انجیل کا ابتدائیہ لکھا گیا۔ عہد عتیق کا محاورہ بھی پیش نظر تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے "امثال" میں کلمۂ کُن حکمت خدا ہے۔ حکمت یوں گویا ہوتی ہے:۔

"خداوند اپنی راہ کے شروع میں مجھے رکھتا تھا۔ اس سے پیشتر کہ ابتدا میں کچھ بنایا۔ میں ازل سے نصب کی گئی، قدیم سے یعنی اس سے پیشتر کہ زمین بنائی گئی تھی۔ میں اس وقت پیدا ہوئی جس وقت گہراؤ اور پانیوں کے بڑے چشمے نہ تھے۔ اس سے پیشتر کہ پہاڑ قائم کیے گئے اور میں ٹیلوں سے پیشتر پیدا ہوئی۔ اس نے ہنوز زمین کو نہیں بنایا تھا اور نہ میدانوں اور دنیا کی پہلی گرد ہی کو جب اس نے آسمان قائم کیا تو میں وہاں تھی........ میں اس کے ساتھ ماہر کاریگر کی مانند تھی .... میں زمین پر کھیلتی تھی اور بنی نوع انسان کے ساتھ رہنا میری خوشی تھی"

(امثال $\frac{۸}{۲۲-۳۱}$)

حضرت داؤد علیہ السلام کہتے ہیں:۔

"آسمان خداوند کے کلام سے اور اس کا تمام لشکر اس کے منہ کے دم سے بنایا گیا...... کیونکہ اس نے فرمایا اور خلق ہوا اور اس نے حکم دیا اور قائم ہوا!"

(زبور $\frac{۳۳}{۶-۹}$)

توریت کے آغاز میں تکوین کا ذکر بایں الفاظ ہے:۔

"ابتدا میں خدا نے آسمان اور زمین کو خلق کیا........ اور خدا نے کہا روشنی ہو اور روشنی ہوئی........ اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے درمیان فضا ہو

"...... اور ایسا ہی ہوا"

آگے تفصیل ہے کہ اسی طرح کلمہ کن سے ہر امر ظاہر اور ہر چیز پیدا اور ہویدا ہوتی گئی۔

یہ ہے انجیل یوحنا کے ابتدائیہ کا پس منظر۔ توریت اور زبور اور صحف انبیاء میں کہاں لکھا ہے کہ مسیح وہ کلمہ ہے جس کے وسیلے سے ہر چیز پیدا ہوئی تھی۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انبیاء بنی اسرائیل اس ذریعہ تخلیق، وسیلہ کن فکاں اور غایت الغایات کو بھولے رہے؟ تورات میں اس کا ذکر نہیں، زبور میں نہیں۔ امثال میں نہیں۔ دوسرے صحف انبیاء میں نہیں۔ انجیل میں کہاں سے آ گیا؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ خدا تعالیٰ کے مقدس نبیوں کا نہیں بلکہ بعد کا ساختہ پرداختہ ہے۔

نیو انگلش بائیبل کے حواشی ظاہر کرتے ہیں کہ قرون اولیٰ سے انجیل یوحنا کا پہلا ورق تغیر و تبدل کا تختۂ مشق ہے۔ حضرت مسیح کو خدائے مجسم بنانے کے لئے نسخوں میں الفاظ بڑھائے گئے۔ عبارت میں کمی بیشی ہوئی۔ اختلاف نسخ کی بعض مثالیں نیو انگلش بائیبل کے پہلے ورق پر حاشیہ میں درج ہیں۔ کسی نسخہ میں نہیں کہ :-

" اکلوتے بیٹے نے جو کہ خود خدا ہے
اور باپ کے دل کے قریب ہے اسی نے سب
کچھ ظاہر کیا ہے "

کسی میں " خود خدا ہے " کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہی وہ قدیم نسخے ہیں جن پر تراجم کا مدار ہے۔

———

(۲)

"نیک اعمال اور نجات" نام کے پمفلٹ میں لکھتے ہیں:-

"مسیح یسوع نے اپنے ساتھ مصلوب
ہونے والے ایک ڈاکو سے کہا: میں
تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تو
میرے ساتھ فردوس میں ہوگا۔"
(انجیل - لوقا ۲۳/۴۳)

۱۹۶۹ء میں نیو ورلڈ بائیبل ٹرانسلیشن کمیٹی نے نئے عہد نامہ کا یونانی متن، تحت اللفظ ترجمہ اور با محاورہ انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ اس میں لوقا کی اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں ہے:-

"And he said to him: Truly I tell you to-day, you will be with me in Paradise."

اور مسیح نے مصلوب ڈاکو کو کہا کہ میں
آج تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ تو میرے
ساتھ فردوس میں ہوگا۔

دونوں ترجموں میں فرق واضح ہے۔ پہلے ترجمہ کی رو سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ مسیح اور ان کا ساتھی دونوں صلیب پر فوت ہوں گے۔ وہ دونوں اسی دن فردوس میں ہوں گے دوسرے ترجمہ میں یہ ہے کہ جب میں مروں گا تو تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا۔ یہ بات آج میں تجھے سچ سچ بتائے دیتا ہوں۔

ملاحظہ ہو صرف لفظ to day یعنی "آج" کو آگے پیچھے کرنے سے کتنا فرق پڑ گیا۔ آپ حیران ہونگے کہ تمی ہیں بیک جنبش قلم ایک comma بڑھا دیا گیا جس سے مفہوم بدل گیا۔ چنانچہ متذکرہ بالا یونانی و انگریزی انجیل کے حاشیہ پر لکھا ہے:- یونانی متن کی تدوین کے وقت:-

"ویسٹکاٹ اور ہورٹ دو عالموں نے
ایک کاما لفظ today سے پہلے لگا
دیا چونکہ اصل یونانی متن میں یہاں کوئی
کاما نہیں اس لئے ہم نے اٹھا دیا۔"

(حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو "The Kingdom Interlinear Translation of the Greek Scriptures Note P. 408.)

کاما لگانے اور اٹھانے سے مفہوم کتنا بدل گیا؟

دونوں ترجموں سے واضح ہے۔ برکت اللہ خان بہت ناراض ہیں کہ مسلمان يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ کا الزام دیتے ہیں۔ یہ بات درست نہیں۔ کاش کہ یہ کرشمہ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ کی منہ بولتی گواہی نہیں تو اور کیا ہے؟

ـــــ (۱۳) ـــــ

"محبت اور قربانی" نامی پمفلٹ میں تورات کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:-

"اے ابراہام ...... تو اپنے بیٹے اضحاق
کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار
کرتا ہے ساتھ لے ...... اسے سوختنی
قربانی کے طور پر چڑھا۔" (پیدائش ۲۲:۲)

درحقیقت یہ ہے کہ اسماعیل۔ اسحاق سے ۱۴ سال بڑے تھے۔ بڑے کی موجودگی میں اس کے قبل حیات۔ اسحاق کیسے اکلوتے ہو گئے؟ بات دراصل یہ ہے کہ تورات کی تدوین کے وقت بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل میں مخاصمت اور مخاصمت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ کاتبوں نے اکلوتے بیٹے کے آگے اسحاق کا لفظ بڑھا دیا یا اسماعیل کی جگہ اسحاق لکھ دیا۔ ۱۹۶۲ء میں امریکہ کے یہودیوں نے تورات کا نیا انگریزی ترجمہ شائع کیا جس میں اس تحریف پر پردہ ڈالنے کی سعی لاحاصل کی گئی۔ ساری دنیا کے تراجم میں "your only son" "تمہارے اکلوتے بیٹے" کے الفاظ ہیں۔ انہوں نے بڑی چابکدستی سے اس کو بدل دیا اور "اکلوتے" کی بجائے "منظور نظر بیٹا" یعنی "your favored one" ترجمہ دے دیا۔ (حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو:- "The Torah A New Translation of the Holy Scriptures By The Jewish Publication Society of America.)

سلہ نقل مطابق اصل۔ ماسٹر برکت اللہ خان صاحب نے ایک پمفلٹ کا عنوان "يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَة" رکھا ہے جس سے بتلانا یہ تھا ہے الزام "تحریف" کے ازالہ کی کوشش کی ہے مگر آیت قرآنی "يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ" سے اس عربی ماسٹر صاحب غیر شعوری طور پر تحریف کا بدیہی ثبوت پیش فرما گئے ہیں۔ ع ببیں تفاوت راہ ......!"

پیکس بائیبل کومنٹری کے جدید ایڈیشن میں تسلیم کیا گیا ہے کہ پیدائش ۲۲ باب میں متن میں تغیر و تبدل ہوا ہے۔ یہ کام کاتبوں نے پہلے پہل اپنے نسخہ تورات میں کیا۔ اس کی بعض مثالیں بھی دی ہیں لکھا ہے:-

"عبرانی متن بعض جگہ مخدوش ہے
امکان ہے کسی کاہن ایڈیٹر نے متن
میں تبدیلی کی ہے۔ (صفحہ ۱۵۹)

اگر کسی کاہن نے اس باب میں تبدیلیاں کی ہیں تو اسمٰعیل کی جگہ اسحاق لکھنا بالکل قرین قیاس ہے کون سا بعید امر ہے۔؟

(۴)

"وہ نبی" ٹریکٹ میں لکھا ہے:-

"خداوند یسوع نے اپنی صلیبی موت
کی پیشگوئی کا اعلان ان الفاظ میں
فرمایا۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم
سے باہر ہلاک ہو۔" (لوقا ۱۳/۳۳)

یہاں نبی سے مراد کوئی ایک نبی ہے۔

نیو انگلش بائیبل میں ترجمہ بایں الفاظ ہے:-

"یہ بات سوچی نہیں جا سکتی کہ ایک
نبی یروشلم سے باہر اپنی موت کو پالے"

نیو ورلڈ ٹرانسلیشن نامی بائیبل کا ترجمہ یوں ہے:-

"کسی کے لئے یہ روا نہیں کہ اسے
یروشلم سے باہر ہلاک کیا جائے۔"

مراد یہ ہے کہ تم نے نبیوں کو یروشلم لا کر مارا ہے۔ یہ کسی طرح ممکن ہے کہ میری ہلاکت کے منصوبے اس شہر میں نہ بنائے گئے ہوں۔ جب تک میں یروشلم نہ جاؤں۔ مجھے مارتے گے نہیں۔ یہ کہاں ہے کہ میں حقیقتاً مر بھی جاؤں گا؟

(۵)

"نیک اعمال اور نجات" میں ریکٹ اسے خال رقم طراز ہیں:-

"اپنے اعمال کو نجات کا سامان خیال
کرنے والے دوستوں سے میری یہ عرض
ہے کہ کیا آپ نیک ہیں؟ کیا آپ گناہ
سے پاک ہیں؟ کیا آپ بے خطا
ہیں؟ جبکہ کوئی بشر گناہ سے پاک
نہیں کوئی شخص بے خطا نہیں۔ (جیسا
کہ مسیح نے کہا ہے) کوئی نیک نہیں۔"
(لوقا ۱۸/۱۹)

حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا کہا ہے۔ سارا حوالہ ملاحظہ کیجئے:-

"یسوع نے اس سے کہا کہ تو کیوں
مجھ کو نیک کہتا ہے؟ نیک کوئی نہیں
مگر ایک یعنی خدا تو حکموں کو جانتا ہے"
(یا ان پر عمل کر) (لوقا ۱۸/ ۱۹-۲۲)

صاف ظاہر ہے کہ خدائے قدوس کے بغیر نیکی کا تصور ممکن نہیں حضرت مسیح اس درجہ منکسر تھے کہ نیک کہلانا بھی پسند نہیں کرتے کیونکہ اصل نیکی خدا ہی ہے۔ اندریں حالت یسوع خدا کے مجسم بن کر دنیا کے گناہوں کا کفارہ کیسے ہو گئے؟ للعجب!

---

(۶)

"اصلی انجیل" نامی ٹریکٹ میں لکھتے ہیں کہ انجیل لوقا کے آخر اور اعمال الرسل کے شروع میں حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے اور ان کے آخری پیام کا ذکر ہے:

انجیل لوقا کے آخر میں حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے کا ذکر سراسر الحاقی ہے اب اسے متن سے خارج کر دیا گیا۔ نیو انگلش بائیبل ملاحظہ ہو۔ متن میں نہ تو حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے کا ذکر ہے نہ ان کو سجدہ کرنے کا۔ حاشیہ میں لکھا ہے کہ کچھ نسخوں میں یہ بیان بڑھا دیا گیا گویا لوقا نے ایسا نہیں لکھا۔

اعمال ۱/۲ میں حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے کا ذکر نسخہ بیزائی یعنی پانچویں صدی کے CODEX BEZAE میں نہیں ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے "مقالہ بائیبل" میں تسلیم کیا گیا کہ جس شخص نے لوقا کے آخر میں صعود الی السماء کا بیان شامل کیا۔ اس نے اعمال ۱/۲ میں رفع عیسیٰ کا ذکر بڑھایا ہے۔ علاوہ ازیں مرقس کے آخری بارہ اسباق جن میں رفع الی السماء کا تفصیلی ذکر ہے مسلمہ طور پر الحاقی ہیں۔ گویا چاروں اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا واقعہ درج نہیں۔ اعمال ۱/۲ میں بھی یہ واقعہ الحاقی ہے۔ صرف اعمال ۱/۹ میں بادلوں کی اوٹ پر آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر باقی رہ جاتا ہے یہ بیان بھی [illegible] ذکر نہیں کیا تو یہ

میں آنے والوں کی اساطیر کو کون مانے گا؟

یہ ایک ناقدانہ نظر ہے جو کہ ہم نے ان بنیادی حوالوں پر ڈالی ہے جن پر جناب برکت اے خان کے استدلال کی بنیاد ہے۔ جب بنیاد کا یہ حال ہے تو عمارت کی پختگی کا اندازہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ ؎

"خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج"

آخر میں ایک دلچسپ بات بتا دوں اگر ایک بڑا منیر یہ تیسری صدی سے لے کر دسویں صدی تک کے نسخہ ہائے انجیل سجا دیئے جائیں تو عیسائی عقائد کا ارتقاء کیسے حقیقت ثابتہ کے طور پر سامنے آ جائے گا۔ دسویں صدی سے پہلے کے نسخوں کی طرف جائیں گے تو عیسائی عقائد گرتے چلے جائیں گے۔ اگر آپ تیسری صدی سے اوپر جائیں گے تو یہی عقائد ابھرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ کیا ماسٹر برکت اے خان DEMO-NSTRATION میں شرکت کے لئے تیار ہیں؟ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو گا؟

ہم ان کے جواب کے منتظر رہیں گے۔

O

خالد میں دلچسپ زرعی معلومات پر مشتمل مضامین کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ ہے دلچسپی رکھنے والے احباب زراعت سے متعلق سوالات لکھوائیں تاکہ ان سے متعلق جوابات اور مضامین ہدیہ قارئین کئے جا سکیں۔

(ادارہ)

(بقیہ صفحہ)
"یاتون من کل فج عمیق"

آپ نے مزید فرمایا کہ میرا عاجزانہ اور نہایت مخلصانہ شکریہ ہر ایک کو اور خاص طور پر ہماری مہمان نوازی کے انچارج بھائی کو پہنچا دیں جنہوں نے نہایت عمدگی سے اپنا فرض ادا کیا اور یہ خدمت انجام دی۔

ہماری دعا ہے کہ آپ سب پر اللہ تعالیٰ کے فضل کا سایہ رہے۔ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں بحیثیت ایک بھائی کے اسے انجام دینے کے لئے حاضر ہوں۔
ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ہمیشہ شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے ربوہ کو ہماری جماعت کا مرکز بنایا ہے۔ اسلام کے غلبہ کو اب روکا نہیں جا سکتا۔ یہ مشرق سے مغرب تک پھیل چکا ہے۔

نمائندہ ہالینڈ

جماعت احمدیہ ہالینڈ کے نمائندہ جناب عبدالحمید آف ہیگ نے بتایا کہ میں پہلی بار ربوہ آیا ہوں۔ میں نے ۱۹۶۱ء میں اسلام و احمدیت کو قبول کیا۔

ربوہ کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ہالینڈ کے جس شہر میں میری رہائش ہے۔ میرے تاثرات ربوہ کے متعلق اس سے بہت ہی مختلف ہیں۔ مجھے یہاں اخوت و یگانگت نے بہت زیادہ متاثر کیا۔ اہل ربوہ کو میں نے بہت ہمدرد اور متعاون پایا۔ ربوہ ایک مثالی شہر ہے۔

جلسہ سالانہ کے انتظامات کے بارہ میں فرمایا کہ نہایت عمدگی اور منظم طریق پر یہ انتظامات کئے گئے تھے

آپ نے فرمایا مجھے دوران قیام کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ پاکستانی کھانے پسند آئے خصوصاً پلاؤ قورمہ۔

کارکنان کے بارہ میں فرمایا کہ وہ نہایت تعاون کرنے والے اور خدمت گزار تھے۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ ربوہ ایک بے نظیر بستی ہے جس کی ساری آبادی تقریباً احمدیوں کی ہے اور اس بستی نے تمام دنیا کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے۔

نمائندہ سپین

محترم مولانا کرم الٰہی صاحب ظفر مبلغ سپین کے ہمراہ جلسہ کے موقع پر جماعت احمدیہ سپین کے نمائندہ جناب عبدالرحمان کلیمینٹے بھی تشریف لائے تھے۔ آپ خالص سپینش (Spanish) ہیں۔ آپ نے سپینش زبان میں انٹرویو دیا۔ ترجمان کے فرائض محترم مولانا کرم الٰہی صاحب ظفر نے ادا فرمائے۔

جناب عبدالرحمان کلیمینٹے نے بتایا کہ وہ میڈرڈ (سپین) کے باشندہ ہیں۔ انہوں نے بارہ سال قبل احمدیت قبول کی۔ قبول احمدیت کا واقعہ اس طرح ہے کہ محترم مولانا کرم الٰہی صاحب ظفر سنڈے مارکیٹ میں عطر بیچ رہے تھے اور ساتھ تبلیغ بھی کر رہے تھے۔ وہاں سے احمدیت میں توجہ اور دلچسپی پیدا ہوئی۔ مولوی صاحب سے تعارفی کارڈ حاصل کر کے بعد میں ان سے ملاقات کرتا رہا اور اس کے ۵-۶ سال بعد بیعت کر لی۔ ربوہ میں میرا یہ پہلا موقعہ ہے۔ ہر چیز

میرے لئے نئی اور انوکھی ہے۔ اگرچہ میں انگریزی اور اردو زبان نہیں جانتا۔ تاہم محبت کی گہری زبان نے میرے دل پر گہرا اثر کیا ہے۔ مجھے ہر چہار طرف محبت اور پیار اور مسرت و شادمانی نظر آتی ہے۔ ۱۹۷۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے دورہ سپین میں حضور سے مختصراً ملاقات ہوئی تھی۔ حضور کی پہلی ملاقات کی کشش اور محبت مجھے یہاں لائی ہے۔ اب میں عینی شاہد ہوں کہ احمدی محبت و پیار کے مجسّمے ہیں۔ اس مختصر سے عرصہ میں جس اعلیٰ پیار و محبت کا سلوک مجھ سے کیا گیا ہے اس کی یاد میرے دل سے کبھی نہیں مٹے گی۔

ربوہ کے متعلق فرمایا کہ اگرچہ یہ یورپ کے دیگر شہروں کی طرح صاف نہیں لیکن جو سکون، خاموشی اور مسرت اس شہر میں پائی جاتی ہے۔ سپین کے شہر اس سے محروم ہیں۔ جلسہ کے انتظامات حیرت انگیز تھے کارکنان اور خدمت گار غیر معمولی خدمت کرنے والے ہیں۔ میں سب سے خراب ہوں باقی سب اچھے ہیں۔

آخر میں آپ نے فرمایا کہ میں حضور ایدہ اللہ کا خصوصاً اور کارکنان کا محبت کے ساتھ دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

نمائندہ پولینڈ

جماعت احمدیہ پولینڈ کے امام بطور نمائندہ جلسہ سالانہ پر تشریف لائے تھے۔ آپ کی زبان پولش (Polish) ہے آپ نے دوران انٹرویو شکستہ انگریزی میں بتایا کہ میرا نام امام محمود ظفر زبیگنیو نویک ہے اور میں پولینڈ کے شہر وارسا (Varsava) کا رہنے والا ہوں۔ ربوہ میں پہلی دفعہ آیا ہوں۔ میں نے چھ ماہ قبل مئی ۱۹۷۶ء میں مسجد فضل لندن کے امام رفیق صاحب کے ذریعہ احمدیت قبول کی۔ آپ نے بتایا کہ پولینڈ میں مسلمانوں کی اس وقت دو مساجد، تجوینسکی اور کروشینی آنے میں ہیں مسلمانوں کی تعداد دو ہزار کے لگ بھگ ہے اور چھ مسلمان امام ہیں۔

آپ نے بتایا کہ میں بیرون پاکستان میں پہلا نو احمدی امام ہوں۔

ربوہ کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ربوہ ایک چھوٹا سا مگر بہت اچھا شہر ہے۔ ربوہ کی خلافت لائبریری میں نے دیکھی ہے۔ بہت اچھی ہے مگر ہمارے ہاں لائبریریوں میں اس سے مختلف انتظام ہوتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ وقت کھلی رہتی ہیں۔

آپ نے کہا کہ اپنے قیام کے دوران مجھے کوئی دقّت محسوس نہیں ہوئی۔ سوائے زبان کی دقّت کے اب میں انشاء اللہ وارسا جا کر مزید انگریزی زبان سیکھوں گا۔

جلسہ کے انتظامات بہت اچھے تھے۔ کھانے کا انتظام نہایت عمدہ رہا اور ہمارے یہاں کام کرنے والوں نے بھی نہایت عمدہ طور سے کام کیا۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

ناظم آباد کراچی

ماہ نومبر و دسمبر ۷۶ء کے دوران چھ مرتبہ مختلف مراکز میں نماز تہجد کا اہتمام کیا گیا۔ اور جنوری ۷۷ء میں پانچ مراکز میں نماز تہجد ادا کی گئی۔ اور اجتماعی طور پر بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود غلبہ اسلام اور حضرت امیر المومنین کی صحت و درازی عمر کے لئے دعائیں کی گئیں۔

بہاولپور

مؤرخہ ۱۴ر جنوری بعد نماز جمعہ مجلس خدام الاحمدیہ بہاولپور کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس میں تلاوت، نظم، عہد، اور درس مشعلِ راہ کے بعد سالانہ رپورٹ پیش کی گئی۔ اس کے بعد "اسلام کی ترقی میں صحابہؓ کا کردار"۔ "خلافت سے وابستگی" کے موضوعات پر تقاریر ہوئیں۔ اس اجلاس میں اطفال کے مابین نظم اور خدام کا مقابلہ عام دینی معلومات بھی منعقد ہوا۔ امیر صاحب جماعت نے مختصر خطاب فرمایا۔ ارکانِ مجلس عاملہ اور کامیابی حاصل کرنے والے خدام و اطفال میں سنداتِ خوشنودی اور انعامات تقسیم فرمائے۔ جس کے بعد یہ بابرکت تقریب جس میں سو فیصد خدام شریک تھے۔ اختتام پذیر ہوئی۔ اس کے بعد حاضرین کی خدمت میں چائے بھی پیش کی گئی۔ (عبدالخالق معتمد مجلس)

حیدرآباد

مورخہ ۷ر نومبر کو مجلس خدام الاحمدیہ حیدرآباد نے احمدیہ ہال گاڑی کھاتہ میں مجلس عاملہ کا ایک ریفریشر کورس منعقد کیا۔ جو نماز عشاء کے بعد شروع ہوا اور اگلے روز بھی جاری رہا۔ اس دوران ارکان مجلس عاملہ کو انتظامی تربیت دی گئی نیز نظم خوانی کی مشق بھی کی گئی۔ دوسرے روز نماز تہجد سے پروگرام شروع ہوا۔ تلاوت قرآن حکیم، نماز فجر اور درس حدیث ـــ کے بعد تمام خدام نے اکٹھے ناشتہ کیا۔

اختتامی اجلاس میں مربی سلسلہ احمدیہ اور امیر صاحب جماعت نے خطاب فرمایا۔ یہ ریفریشر کورس مجلس عاملہ کے ایک خصوصی اجلاس پر ختم ہوا۔ (مرزا مظفر احمد قائد مجلس)

دارالذکر لائلپور

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی تحریک سائیکل سفر کیلئے ۲۶ نومبر ۷۶ء کو مجلس خدام الاحمدیہ دارالذکر لائلپور کے بارہ خدام سائیکلوں پر لائلپور سے ربوہ آئے۔ (مظفر احمد منصور قائد مجلس)

کراچی صدر

مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۷۷ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کراچی صدر نے احمدیہ ہال کراچی میں ایک مجلس مذاکرہ کا انعقاد کیا جس میں صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے حضرت عیسیٰؑ کی وفات سے متعلق بائیبل میں مذکورہ حوالے پیش فرمائے اور اس موضوع سے متعلق مختلف سوالات کے دلچسپ جوابات دیئے۔ اس محفل میں ۷۰ غیر از جماعت دوستوں نے شرکت کی۔

شیزان
ایک بار نہیں سو بار نہیں
میں تو کہوں گی لاکھوں بار
شیزان کی ہر چیز ہے سب سے مزے دار
Apple Jelly

Monthly **KHALID** *Rabwah*

February 1977 *Editor :* **Hafiz Muzaffar Ahmad** **Regd. No. L 5830**

مجلس خدام الاحمدیہ حیدرآباد کے سالانہ اجلاس کے چند مناظر

مکرم محترم بابو عبدالغفار صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع حیدرآباد کی زیر صدارت محترم مرزا مظفر احمد صاحب قائد مجلس خدام الاحمدیہ حیدرآباد خدام سے خطاب فرما رہے ہیں۔

مجلس خدام الاحمدیہ حیدرآباد کے ناظمین کرام محترم بابو عبدالغفار صاحب صدر اجلاس سے سندات حسن کارکردگی حاصل کر رہے ہیں۔